

’فروقہ شیعہ میں حفاظ قرآن کا وجود نہیں رہا ہے‘
سید العلماء نے انتہائی وسعت نظر سے
مناظرین کے اس لطیف پرومکٹرو کو
ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باطل ثابت کر دیا ہے

حبرہ شیعہ کا حصہ اول

آیہ اللہ علیہ سید العلماء سید علی نقی نقوی صاحب قبلہ طلب گزارہ

<http://alinaqinaqvi.blogspot.in/>
<http://www.slideshare.net/changezi>

صاحب جامع الفوائد
 امايشين كتابيون بيني ساله
 صلي الله عليه وسلم
 در كمال علم

كتاب
 الفوائد
 في
 معرفة
 الحروف
 المعجمة

۵۰۸
 نالی

مکتوب

فخرانومی پرس و کسب
 کتب و نسخ

خرد داک

تعداد یک هزار

قیمت

امامیہ مشن بلڈنگ فنڈ

اور

اسکی ضرورت

برادران ایمانی! آپ کے ہر ریشہ و ریلنجی مشن کے دفتر کیلئے سر دست ایک ہال کی تعمیر کی ضرورت ہے۔ اس ضرورت سے کافراہم کر دینا دریا و لاپ قوم کیلئے کوئی بڑی بات نہیں ہے صرف توجہ شرط ہے۔ مولا کا نام لیکر اٹھنے اور ہر مقام پر اپنے حلقہ اثر سے قہوری قہوری رسم حج کر کے اپنے محبوب شہن کی اس ہم ترین ضرورت کا جلد از جلد تکملہ کرا دیجئے تاکہ آپ کی گارڈی کمانی کا پیسہ کسی کرایہ کی عمارت پر صرف کرنے کا موقع نہ ملے۔

اس مذہبی تیل سے تلیل رسم ہی شکر یہ کیا تھو وصول کیجاو گی اور تمام معطیان

کے رہا را در رقوم عطایا کا اخبارت میں اعلان ہو تا رہیں گلا

للداعی الخیر

سید ابن حسین عفی عنہ آنریری سکریٹری امامیہ مشن لکھنؤ

در بیان
معانی

مصنف

حضرت شیخ محمد تقی العالی
محققین و ائمه علمای اربعین

مجموعه درام نظام العالی

کتابخانه

کی زبانیں شیعیت کا نام سمجھا زبان پر آنے کو جرم بتلاتی تھیں اور دوسری
طرف خزانوں کے کھلے ہوئے منہ متفق اللہ جل جلالہ اور تقریب سکوں کی
آواز سے اپنی طرف بلاتے تھے۔

بھلا ایک وہ قوم جو اپنے ابتدائی دور زندگی میں ایک دن دو دن
ہفتہ دو ہفتہ مہینہ دو مہینہ سال دو سال نہیں تین سو سال تک تلواروں
کی چھاؤں میں رہی ہو اور جس کے شانے میں شام و عراق کی پوری ددت
خوجوں اور لشکریوں کی تمام طاقت شہرہ آفاق مدبر و ماعیوں کی ساری
حیلہ گری اور سیاست صرف کی گئی ہو وہ کیا اس بات کی مستحق ہو سکتی
ہے کہ اُس کا نام دفتر وجود میں باقی رہے۔

لیکن اس کو خدا کی تدبیر سمجھ جائے یا حقیقت کا زور یا ان مجیر العقول
و نشانوں کا ثبات و استقلال کہ اس عظیم مخالفت اور طاقت و ترین
انسانی کی مزاحمت کے باوجود اس بے دست و پا فرقہ کی تعداد
بڑھتی جاتی ہوئی گئی کہاں وہ پہلا دور جبکہ اس مذہب کے
انگلیوں پر شمار کرنے کے قابل بھی
اس کے افراد سے

کیا خدمات انجام دیے ؟ اُن تجاروں کو سر اٹھانے کا موقع ہی کہاں
 دیا گیا کہ اُن کے علمی و مذہبی کارناموں کا جائزہ لیا جائے، لیکن اُن باہمت
 اور دھن کے کپے، بلند درجہ افراد نے اس سوال کے جواب میں اپنی تمام
 مشکلات کے باوجود بھی سر نہ بٹا ہونے کا موقع نہیں آنے دیا، تاریخی اوراق
 اور طبقات علیہ کے صفحات پر اُن کے علمی کارناموں کے نقش ابھرے ہوئے
 نظر آتے ہیں۔

شیعوں کے علمی، ادبی، مذہبی خدمات کی اہمیت اُس وقت بہت
 بڑھ جاتی ہے جب اُن کے داخلی و خارجی مشکلات اور اُن کے ساتھ
 اہل زمانہ کے طرز عمل کو پیش نظر رکھا جائے، کون عالم امکان کی ایسی قوم
 ہے جو اس بات کا دعویٰ کر سکے کہ اُس کے افراد نے قید خانوں کے اندر
 پابندِ بخیرہ کر، مخالفین کی برہنہ تلواروں کو اپنے سروں پر کھینچا ہوا دیکھ کر
 اپنے قریبین اغتراب اور دوستوں کو اُسی جرمِ تشیع کی پاداش میں قتل
 ہوتے ہوئے پا کر بھی علم کی خدمت سے ہاتھ نہ اٹھایا ہوا اور برسرِ حکومت
 اقوام کے دوش بدوش نہیں بلکہ اُن سے چند قدم آگے رہ کر اپنے
 کارنامہ حیات کو جاری رکھا ہو۔

علامۃ الدہر آقا سید حسن صدر دام ظلہ کی کتاب الشیعہ و فنون السلام
 کا مطالعہ کرو اور دیکھو کہ عالم کا کوئی علم ان فن ایسا نہیں ہے جسے

نہ اس کے عالم میں کچھ آثارِ علیہ پائے جاتے ہیں (۱)
اس کا جواب سوائے اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ میں ابوالعلماء معری کے
اس شعر کو بار بار پڑھوں۔

النجیم تستصغر کلاً بصار صوره والذنب للعین کلاً النجم فی صغره
لیکن در حقیقت ہم کو غیروں کی شکایت فضول ہے، خود ہماری جماعت نے
اپنے آثارِ علیہ کی نشر و اشاعت کو ضروری نہیں سمجھا، خدمات انجام دیے اور
اتنے اہم خدمات کہ اپنے سے زیادہ تعداد و قوت ثروت رکھنے والوں پر
سبقت حاصل کی مگر زیر پر وہ اس طرح کہ عالم دیدہ دلیری کے ساتھ ہمارے
سامعی اور خدمات جلیلہ کا انکار کرتا رہے۔

تقیہ کے زمانہ میں تلواروں کی چھادیں میں بسر کرنے والے اسلاف نے
اپنے فرائض کو پوری جانفشانی سے انجام دیا اور شہیت کی ایک غیر ستر لال بنیاد
قائم کی مگر کھلے میدان میں تبلیغ مذہب اور نشر و اشاعت کر سکنے والے اخلاوت
نے موقع کو غنیمت نہ جانا اپنے پیش رو اسلاف کے نقش قدم سے علیحدہ ہٹ کر
ان کی عرق بریزی اور جانفشانیوں پر پانی پھیر دیا، نہ اپنی آہنی کودنیا کی نظر نہیں
قابل وقعت بننے دیا اور نہ اپنے بزرگوں کے نام کو زندہ رکھا۔ اہلسنت قابل
سار کیا ہیں کہ انہوں نے اپنے آثارِ علیہ کی حفاظت اور نشر و اشاعت میں کوئی

کو تا ہی نہیں کی، علاوہ اُن مطابع کے جو مصر و بیروت میں ہمیشہ کتب علیہ کی اشاعت میں مصروف ہیں، مؤلفات کے ذریعہ سے اپنے پیش رو اسلاف کے کارناموں کو زندہ رکھتے ہیں، کاتب چلیبی نے کتاب کشف الظنون میں اپنے فرقہ کے مؤلفات کی فہرست لکھ کر اُن کے علمی خدمات کا جس عنوان پر احیا کیا ہے اسکی نظر نہیں مل سکتی۔

کاش شیعوں کی بھی کوئی ایسی کتاب عالم اسلام میں ظاہر ہوئی ہوتی جو اُن کے آثار علیہ کا احیا کرتی۔ میرا خیال ہے کہ آج تک ہماری امت حقہ کے بہت سے افراد کو خود اس بات کا اندازہ نہ ہو گا کہ اُن کے ابنائے قلم کے مؤلفات اتنی تعداد میں ہیں بھی جو کشف الظنون کی تین جلدوں کی فہرست کے مقابلہ میں پیش کئے جا سکیں؟

افسوس ہے کہ ہماری قوم کو خود اپنی ہستی اور اُس کی اہمیت کا اندازہ نہیں کیا میرے قلم کے نکلے ہوئے یہ الفاظ حیرت و استعجاب کے ساتھ نہ دیکھے جائیں گے کہ شیعوں کے علمی مؤلفات کی فہرست جمع کی گئی تو اُن کی تعداد کشف الظنون کی تینوں جلدوں کے مندرجہ کتب سے دو چندان ہوگی۔

ابھی تک ناظرین کو اپنے فرقہ پر کسی ایسی کتاب کا سراغ بھی نہ ہو گا جسے اس عظیم ذمہ داری کو انجام دیا ہو لیکن یاد رہے کہ شیعی فرقہ اب بھی مجاہدین سے خالی نہیں ہے اور اُن کے قلم اب بھی علمی خدمتوں کے لئے وقف ہیں، وہ

گوشت نشینی میں بھی اہم ترین معلومات کے قلوب کو آسانی سے فتح کرتے ہیں۔
 اُن کے معلومات اور قلبی خدمات سے مستفید ہونا ملت خواہد و کام کام
 ہے جس کی توقع اُس سے بالکل غفلت ہے۔ علامہ شیخ محسن طہرانی سامرہ کی ہش
 مقدس پر گوشت نشینی کی زندگی بسر کرتے ہیں، اُن کی کتاب "القدیچہ الی تصانیف
 الشیعہ جو تین جہنم مجلدات پر مشتمل ہے درحقیقت شیعہ سرایہ معلومات کا خزانہ عامہ
 ہے، لیکن اب تک افراد قوم کی بے توجہی سے گناہ ہے۔

اگر ایران میں ناصر الدین شاہ کے زمانہ کا سافا چاری دور ہوتا تو اب تک
 یہ کتاب دنیا کے اسلام میں ظاہر ہو کر شیعہ عظمت کا سکہ عالم میں قائم کر چکی ہوتی
 لیکن اب شیعہ حکمرانوں سے اتنی توقع نہیں کہ وہ ایسے گرانقدر سرایہ کی اشاعت
 کا موقع پاسکیں۔



مخالفین کی جارحانہ کارروائیاں جن کی طرف سابق میں مختصر طور پر اشارہ
 کیا گیا ہے شیعوں کی ہستی کو ناکارنے یا اُن کے علمی مساعی جمیلہ اور خدمات جلیلہ
 کا سد باب کرنے میں کامیاب نہیں ہوئیں لیکن اُن کے ضمن میں اس مقدس فرقہ
 کی نیکنامی اور شہرت کو اچھا خاصہ جدید ہونچا۔

ذاتی اغراض و مقاصد کے تحت یہ بھی فرقہ کے مذہبی روایات اور
 شخصی خصوصیات کے متعلق غلط بیانی، افتراء پروازی اور غیباتی ابلہ فحشی کا

ایک طوفان تھا جو اس وقت چلا رہا تھا۔ واقعات کی کثرت اور حقائق کی
 کثرت چھانٹ کر کے محاسب کو قبائح کی صورت پر اور منقلب کو منقلب کی شکل
 میں پیش کیا جاتا تھا۔ یہ سب کیوں؟ صرف اس لئے کہ سادہ لوح افراد کی
 عقول پر پردہ پڑے، اور واقعات کی تہ تک پہنچ جائے گا اسکاں بتی رہے
 عام اسلامی مؤمنین کو بھی ہم اس جرم سے مستثنیٰ نہیں کر سکتے کہ انھوں نے
 تاریخی واقعات کو صنفی آنکھوں سے نہیں بلکہ نقشب کی عینک لگا کر دیکھا ہے۔
 جس کے سبب تاریخی حقائق پر پردہ پڑ گیا ہے یا ملائم شہرستانی ایسے مدعی
 تحقیق سے یہ شکایت بھیجے کہ انھوں نے مل و نعل میں مشغی رہنا یا ان ملت
 کے مطلق انصاف و دیانتداری سے کام نہیں لیا ہے، اشام بن حکم اور اشام
 بن سام ایسے مبلغین تشیع کے حالات میں تحسین کے عقیدہ کو پوری دیدہ دوسری
 کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے۔ حالانکہ ہمارے مذہبی کتب و جو مع حدیث ان
 بزرگان دین کے اقوال و آثار سے ملو ہیں، ان میں سوائے حکمت الہیہ اور فلسفہ
 شریعت اور حقائق اسلام کی صحیح تعلیمات کے ایک کلمہ بھی خلاف نظر نہیں آتا۔
 ان کے قوال و خیانات تمام تراجمی تعلیمات کا آئینہ ہیں جو ان کے امام اور
 معلم روحانی امام جعفر بن محمد الصادق علیہ السلام کے ارشادات سے مستفاد
 تھیں جن سے بڑھ کر صفات الہیہ اور شریعت نبویہ کا عارف کوئی نہ تھا۔ اور
 خدا ان بزرگ سہیلوں نے سوائے حضرت کے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ کو

تاکید انہم کی زبان سے ہے یہ ان متاثرہ شاگردوں کے متعلق وقت و وقت جو صحیح
 روش کے نکات صادر ہوئے ہیں وہ ان تمام فرائض و ذریعہ خیرات کا قلع قمع
 کر دیتے ہیں جو ان کے متعلق معاندین کی طرف سے پیش کیے جاسکتے ہیں۔

خیال کیا جائے کہ اس قسم کے خلاف واقع خیالات کا دور دورہ
 اسی وقت تک تھا کہ جب ذرائع نشر و اشاعت کم تھے مطابع کا یہ جو نہ تھا
 شیعہ فرقہ کی کن میں نوٹوں کے پیش نظر نہ تھیں متعصب باپ و داسے سنی
 سنائی اور فواہی خبروں پر اعتماد کر کے اس قسم کے بے سرو پا واقعات کو صحیح
 کر دیا جاتا تھا لیکن اس کو کیا کہ جسے کہ موجودہ زمانہ میں جو عصر النور و روشنی
 روشنی کا دور کہاجاتا ہے جس میں مطابع کی برکت سے ایک ایک کتاب کے
 ہزاروں نسخے عالم میں منتشر ہیں۔ لیکن آج بھی عام اسلامی مؤلفین تاریخی حقائق
 پر رحم کھا کر صحیح و قیامت کا پابند ہونے کی زحمت نہیں اٹھاتے۔ آج بھی شیعہ
 فرقہ کے متعلق اس قسم کے خلاف واقع بے اصل خیالات کی اشاعت ضروری
 سمجھی جاتی ہے، جنکو دیکھ کر انسانیت کی پیشانی عرق انہماک سے تر ہو جاتی ہے۔
 انسوس اس کا ہے کہ ہم متحدہ لکھنے بیٹھے ہیں خود اس موضوع پر مستقل
 کتاب لکھنا اس وقت مد نظر نہیں ورنہ ہم اس قسم کی کوششوں کو ذرا توضیح
 کے ساتھ بیان کرتے جو موجودہ زمانہ میں شیعیت کے خلاف جاری ہیں اور
 دکھلاتے کہ مؤلفین و کتاب عصر کی طرف سے کس طرح واقعات و حقائق کو

کے جا رہے ہیں اور شیعی فرقہ کی ہر دلعزیزی و نیکنامی کو صدر پونچپا یا
جاہل ہے۔

مصطفیٰ رضا علی مصر کے مشہور اہل قلم اور مؤلفین میں سے ہیں۔ اُن کی
کتابیں ”اعجاز القرآن“ اور ”تحت رایت القرآن“ اپنے موضوع میں نرالی نشان
رکھتی ہیں اور قابلِ قدر ہیں لیکن فہم کہ اُن میں بھی مذہبی تنگ نظری اور
ماریخی ایجاد و اختراع کی کافی نمائش موجود ہے۔

دوسری کتاب کے صفحہ ۱۶ پر لکھا ہے ”شیعہ فرقہ کو حقائق کے اندر
شک میں فرہ مٹا اور بے اطمینانی میں مدت حاصل ہوتی ہے۔ وہ قرآن کی
صریح آیتوں میں شک کرتے اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ قرآن کے اندر زیادتی
کی تغیر و تبدیلی ہوتی ہے۔“

کیا شرم آنے کی بات نہیں کہ ایک ایسا شخص جو تحقیق کا علمبردار ہو
شیعوں کی طرف ایسے غلط اعتقاد کی نسبت دے جس سے اُن کو دیر کا بھی
دور ملے نہیں، یہ سُننے عرصہ سے زیرِ بحث ہے۔ ورنہ شیعہ مؤلفین وہیں قلم لے اسکو
منجوبی حل کر دیا ہے۔ وہ سب کو معلوم ہو چکا ہے کہ اگر تحریف و تبدیل کے اخبار
کی جستجو کی جائے تو زیادہ تر اُن کا سراپا حضراتِ اہلسنت کی کتابوں میں سیدھا ہو گا
اُسی کتاب کے صفحہ ۱۰۵ میں روایت در مصنف نے لکھا ہے ”سب سے

معاذ اس سچے کے کمال مطالعہ کیسے نہ غلط ہو ہمارے سوال ”تحریر قرآن کی حقیقت“

پہلے شیخ الرافضہ ہشام بن حکم کو ابوشا کر دبیانی کی صحبت سے خراب کیا، پھر
ظاہر میں تو اسلام کا ادعا کرتا تھا مگر درحقیقت کفر و زندہ کسیرت اٹک تھا۔
تمام کتب تاریخ و حدیث کا مطالعہ طے ہشام بن حکم کو ابوشا کر دبیانی سے
کون سا علاقہ ہے اور اس کے کفر پر درخیاں کون ہشام بن حکم ایسے
دام الایمن کے اقوال سے کہ واسطہ کیا تاریخی وسعت معلومات کا مظاہرہ
ایسے ہی من گڑھت ہے سر و بیانات سے ہر سکتا ہے، اسی صفحہ میں نقلیں
بھی نظر آتی ہیں شیعوں کا سب سے بڑا مقصد محمد مصطفیٰ کی رسالت کا انکار
اور قرآن مجید کی کذب و رمت اسامیہ کے اجلع کی مخالفت ہے۔

اللہم ابدل الشکری راست گوئی و حقیقت پرستی و واقعہ
ہنگامی کا حق اس طرح توا داکیا جائے انذ کو دہ بالانفوں کے جواب کے لئے
کسی مناظر کے قلم کی ضرورت ہے، میں اس میدان میں آنے پر تیار نہیں
میں تو صرف یہ دکھانا چاہتا تھا کہ عام موفین و ارباب تعذیب کی طرف سے
شیعوں کے مستحق کیسے نہ ہر ملے خیالات کی اشاعت ہوتی رہتی ہے اور ان کے
مذہبی روایات کے بارے میں کیسی بے سرو پا غلط بیانیوں، افتراء پروریوں
کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

انہی غلط خیالات میں سے جن کی اشاعت کا سلسلہ شیعیت کے غلط
شرع سے ہوتا رہا ہے، ایک وہ خیال ہے جس کی بے حقیقت شہرت

صرف ہندوستان کے اندر محدود ہے اور اس کے ذریعہ سے شیعوں کے ذاتی مشرف و کمال پر دھبہ لگانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

سواد اعظم اہل اسلام کے اکثر افراد اس خبر کو اپنے دل و دماغ میں جگہ دے ہوئے ہیں کہ شیعوں میں حافظہ قرآن نہیں ہوتے اور نہ ہو سکتے ہیں۔ تاہم یہ دعویٰ ان متعصب حقوں کی طرف سے پیش کیا جاتا رہا ہے، اور اپنے مذاق کے موافق اس کے وجہ بھی تراشے گئے ہیں اور صرف مذہبی نہیں بلکہ بعض تحریرات میں یہ ادعا ہماری نظر سے گذرا ہے۔ اس خیال کو سمجھنا اللہ ہمارے فرقہ کے اکثر افراد عی صورت سے باطل کر چکے ہیں، اور خود حفظ قرآن کریم کے اس صدائے بے ہنگام کی کوئی وقعت باقی نہیں رہی اور یہ جدید زمانہ میں بھی کثیر افراد خود اس دعویٰ کی رد میں پیش ہو سکتے ہیں، جن کا حفظ قرآن میں راستحان پر کامل ثابت ہو چکا ہے، مگر کہنے والے کی زبان پیرنا کسی کا کام نہیں، باوجود متعدد تجربوں کے بھیج بھی یہ آواز بند ہوتی ہے کہ "شیعوں میں حافظہ قرآن نہیں ہو سکتے۔"

میرے ذہن میں عرصہ سے یہ خیال گردش کر رہا تھا کہ ابتدائے عصر اسلامی سے اس وقت تک کے شیعی حفاظ قرآن کی ایک مختصر فہرست قلمبند کروں جس کے سبب سے ہمیشہ کے لیے یہ دعویٰ غلط ثابت ہو جائے چنانچہ خدا کا سکریہ کہ میں اس وقت اس موضوع پر رقم اٹھانے کیلئے

افردہ ہو سکا۔ ناظرین اس پر ہم کی اہمیت کا اندازہ کر سکتے ہیں اس لیے کہ شیعوں کے کتب رجس و حدیث میں آج تک ایک باب بھی حفظ قرآن کے غنوں سے فرار نہیں دیا گیا ہے، نہ امر تراش موضوع میں کامیابی میر کتب اور کتب تانیخ و حدیث و رجال کی شروع سے آخر تک ورق گردانی پر موقوف ہے قبل اس کے کہ شیعہ حفظ قرآن کی فہرست کی شروع کریں چند مفید تبصرے پر یہ ناظرین کی ضروری خیال کرتا ہوں۔

پہلا تبصرہ

حفظ الفاظ اور حفظ معانی

لفظ و معانی کا ارتباط بجائے خود ایک غامض مسئلہ ہے جس کے متعلق افکار و عقوں نے بہت کچھ ٹھیکہ کریں کھائی ہیں۔ سلیمان بن عباد کا دعویٰ تو یہ تھا کہ لفظ ذاتاً معنی کے ساتھ ارتباط رکھتی ہے یعنی قبل اسکے کہ کوئی واضح لغت "پانی" کی لفظ کو اس مخصوص معنی میں وارد یا تطبیع غنصر کیلئے وضع کرے "پانی" کے حروف و دھان کی بنیت اجتماعاً اس معنی کی طاسب تھی، اس کا خیال ہے کہ معانی کے غنصر صیات الفاظ میں نہ ہاں طور پر پائے جاتے ہیں۔ پانی چونکہ سیال جسم ہے اس کے لیے جو لفظ عربی میں "ماء" پایا جاتا ہے خود اس کی آوازیں بھی ایک سیالانہ کیفیت موجود ہے اور

تصویر جو تک جامد ہے، اس کی جتنی لفظیں ہیں ان کی آوازیں ایک قسم کا
 ایجاد پایا جاتا ہے بشیر کے جتنے نام ہیں خود ان کی آواز ڈرونی اور بلند و
 بہار کے جتنے الفاظ ہیں ان میں کچھ نہ کچھ شگفتگی لازمی ہے۔

محققین کے نزدیک یہ خیال بالکل بادر ہوا ہے۔ اگر الفاظ کے ساتھ
 معانی کا ارتباط ذاتی ہونے کے سبب کسی واضع کا معنوں احسن نہ ہوتا تو
 چاہیے تھا کہ کسی مخصوص معانی رکھنے والے الفاظ سے ہر شخص کا ذہن معنی
 کی طرف منتقل ہو جایا کرتا اور کسی لغوی تصریح اور وضع واضع پر اطلاع کی
 حاجت نہ ہوتی ایسی صورت میں افراد بشر کے درمیان زبان کا اختلاف
 معنی نہیں رکھتا، بلکہ ایک عربی لفظ سے کسی جاہل دیہاتی ہندوستان
 میں بسنے والے انسان کے اُسی طرح معنی سمجھ میں آتے جس طرح ایک
 عربی زبان کے فاضل متبحر کی سمجھ میں آتے ہیں، کیونکہ اس خیال کے مطابق
 تو زبان سے نکلتی ہوئی آوازیں میں ذاتی طور پر ایک متناطیسی جذب
 مخصوص معانی کی طرف موجود ہے، جو برہدستی ذہن کو ان کی طرف
 منتقل کر دیتا ہے۔ الفاظ اور معانی کے خصوصیات میں جو یک جہتی
 دکھلائی گئی ہے وہ بھی خطابی حیثیت سے زیادہ وقت نہیں رکھتی
 اس کی لفظ میں کوئی ڈرونی آواز ہے جو فرس بقبر وغیرہ میں نہیں ہر
 اور جب ایک لفظ کے متعدد معنی ہوں کہ جن کے خصوصیات میں زمین و

آسمان کا تفرقہ ہے تو ایک واحد لفظ کی آوازیں کہاں تک وہ تمام خصوصیات محفوظ رہ سکتے ہیں، خصوصاً جب کہ معانی ایک دوسرے کی متضاد یا نقیض ہوں
مشترک الفاظ کا عمومی اور لغات، اسناد کا وجود خصوصاً اس خیال کی گزری
کو طشت از بام رست کیے کافی ہے

حقیقتاً الفاظ اپنے ذاتی اعتبار سے تمام معانی کے ساتھ مساوی نسبت
رکھتے ہیں، اُن کا ارتباط مخصوص معانی کے ساتھ واضح کار میں منت ہے
بے شک جب کہ کسی سند واضح نے لفظ کو ایک معنی کے لئے مقرر کر دیا تو
اُس کے سبب سے لفظ اور معنی کے درمیان ایک خاص علاقہ مودت و خفا
پیدا ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب لفظ کانوں میں پہنچے معانی
کی طرف ذہن منتقل ہو جائیگا۔

معانی وہ عقلی مفہیم ہیں جو خارجی یا غیر خارجی اشیاء کے لئے ذہن میں موجود
ہیں، وہ اس قابل نہیں کہ زبان پر لائے جائیں اور مخاطب کے کانوں تک
پہنچائے جائیں اُس طرف اجتماع اور باہمی معاشرت کا اقتضایہ ہے کہ ایک
اپنے اپنی التعمیر کو دوسرے تک پہنچائے، اور اُس معنی پر جو اُس کے ذہن
میں ہیں مخاطب کو گاہ کر سکے، اُنھوں نے اشارے تمام مقاصد کو سمجھانے
میں ناکافی ہیں، اسی ضرورت کے لئے اگر نے کیلئے الفاظ کی وضع ہوئی ہے،
جب کسی مفہوم کو مخاطب تک پہنچانا ہو تو وہ لفظیں جو اُس معنی کے لئے کسی واضح

نے مقرر کر دی ہیں زبان پر لائی جائیں۔ اگرچہ بر درست وہ چیر چوئی طلب
 تک پہنچے گی عقلیں ہیں لیکن اصالت ذہن کی توجہ معنی کی طرف ہوگی اور وہ
 مفہوم جس کا ہو سچا، مقصود ہو پورے طور پر واضح ہو جائے گا لفظ لفظ کی
 حیثیت معنی کے ساتھ ویسی ہی ہے جیسے عینک کے تال کسی کتاب کے مطالعہ
 کے وقت کہ براہ راست جلد یہ (آنکھ کے پردہ) سے نکل کر جو شعاع منطبق
 ہوتی ہے وہ عینک کے تالوں پر پہلے پڑتی ہے لیکن توجہ کامرکز بالکل وہ نقوش
 ہوتے ہیں جو صفحہ کاغذ پر بنے ہوئے ہیں۔ اسی طرح آئینہ میں صورت دیکھنے وقت
 اس کا عکاس و شفاف شیش بالکل منطبق نظر نہیں ہوتا توجہ ساری چہرہ کے خط و
 خال پر ہوتی ہے، باوجودیکہ آنکھ کے سامنے براہ راست شیش ہوا کرتا ہے۔
 بالکل یہی مثال لفاظ کی ہے یعنی حوشتے مخاطب کے کانوں تک پہنچنی و اس کے
 ذہن میں داخل ہوتی ہے وہ الفاظ ہیں، عینک توجہ جو ذہن کو ہوتی ہے وہ
 اس معنی کی طرف جس کو الفاظ بتلا رہے ہیں گویا الفاظ اپنے معانی کے اندر دفن
 کامرتبہ حاصل کر لیتے ہیں کہ ان کی بہت و بود، نکل فانی ہو کر عدم کی صورت
 اختیار کر لیتی ہے، اگرچہ حقیقتہً وہ موجود ہیں۔

لفظ اور معنی کے اسی ارتباط کا نتیجہ ہے کہ معانی کے خصوصیات کا برتو
 لفظ پر پڑتا ہے اور غن و دہشت یا انس و لذت، تازگی و شگفتگی یا انس و
 پروردگی جو معانی کے اندر پائی جاتی ہے الفاظ میں بھی وہ اثر پیدا ہو جاتا ہے

جس کا سبب حروف کی ترکیب اور ان کی سواڑ کا اتار چڑھاؤ نہیں بلکہ وہ معانی
ہیں کہ جو ان الفاظ سے پیدا ہوتے ہیں اور اسی جہت سے الفاظ کی عزت و توقیر
اور بلندی ان معانی کے سبب سے ہوتی ہے جو ان کے تحت میں منکر ہیں
دہن سے نکلتی ہول آواز اور زبان پر آتے ہوئے الفاظ اگر اپنے تحت
میں کسی معنی کو نہیں رکھتے تو وہ بھل ہیں جو کسی عزت کے لائق نہیں بلکہ جس شخص سے
صاحبہ ہوں وہ مخمور و شفیہ کہلائے جائیگا سستی ہے۔

کلام اسی وقت تک کلام ہے کہ اس میں الفاظ کے ساتھ ساتھ معانی کا جیسے
بھی محفوظ ہو۔

قرآن مجید انسانی کلام نہیں بلکہ خالق انسان کا کلام ہے اس میں دونوں
جیسے موجود ہیں لفظ و معنی جن کا تعلق انہی سے ہر ایک کے ساتھ ہو سکتا ہے
الفاظ محفوظ ہوں اور معانی کی خبر نہیں یا معانی پر پوری اطلاع ہو لیکن الفاظ
از ہر یاد نہیں۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ان دونوں جہتوں میں اسلامی نقطہ نظر
اور عقلی و تدبیری اصول کی بنا پر کون زیادہ اہم اور کام آمد قابل وقعت و
عزت ہے۔ کیا صرف الفاظ کو رکھ لیا اور ان کو از ہر یاد کرنا اور صرف نیک معانی
کی خبر نہ ہو یا خبر ہونا مگر ان میں غور و تامل اور نتائج کے استحضار میں
غفلت شکاری سے کام لیا جائے کوئی قاب قدرت اور اہم صفت ہے یا یہ
کہ معانی میں پورا غور و فکر کر کے ان کے نتائج و آثار پر عبور حاصل کرنا اگرچہ الفاظ

از برباد نہ ہوں قابلِ قہر اور زیادہ سختی استہام ہے۔

قرآن مجید میں جا بجا تذہیبی القرآن کا حکم دیا گیا ہے۔

کتاب انزلنا والہدٰی صبارۃ
لینہ یووا یا تہ
یہ وہ بارکت کتاب ہے جو ہم نے تم پر لے
رسول اسے انزل کی ہے کہ لوگ اسکی

آیتوں میں غور و قائل کریں۔
آپ ۲۲ سورہ صحت۔

اخلاقتی برون القرآن وکوان
عن عند غیر اللہ لوجد طافیہ
(اختلافاً کثیراً رپ سورہ نسا)
اے میں بڑا اختلاف نظر آتا۔

یہ لوگ قرآن میں فکر و تاں سے کام
کیوں نہیں لیتے باؤں کے دلہنبر (سچ)
قلوب! قفالحا۔

نفل ہی لگ گئے ہیں۔
رپ ۲۶ سورہ محمد

طرح طرح کی مثالیں ہر لوگوں کیسے
پیش کرتے ہیں اور ان کا سمجھا و نفیل
فلاک الامثال نضربھا

للتناس وما یقلھا الا
العالمون (پ سورہ بقرہ)

کذلک یبین اللہ لکم
ایاتہ لعلکم تتفکرون۔

یہ ان کرتا ہے تاکہ تم لوگ فکر و قائل
کرو۔

رپ ۲ سورہ بقرہ

كذالك يبين الله آياته خدا یونہی اپنے آیات لوگوں کے لئے
للناس لعلهم يتفكرون بیان کرتا ہے تاکہ وہ لوگ غور و
دب ۳ سورہ آثر عمران فکر کریں۔

ایسی ہی بہت سی آیتیں ہیں جن میں غور و فکر و قائل کا حکم دیا گیا ہے
جن کا تعلق معانی سے ہوا کرتا ہے لیکن ایک آیت بھی قرآن مجید میں ایسی
نہ ملے گی جس کا حفظ الفاظ کی طرف توجہ دلائی گئی ہو۔

اسی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حفظ الفاظ و حفظ معانی میں کون زیادہ
اہم ہے؟ یقیناً معانی کا حفظ حضرت باری کی نظر میں پوری اہمیت رکھتا ہے
کہ اس پر مختلف الفاظ میں ترغیب دلائی گئی ہے، لیکن حفظ الفاظ کی طرف
توجہ نہ کی گئی۔

حفظ الفاظ کو اگر کوئی فضیلت ہو سکتی ہے تو وہ اسی حیثیت سے کہ
اس کے ذریعہ سے معانی کا استحفاظ زیادہ ہو، لیکن یہ غرض اس وقت بالکل
مستغنی ہو جاتی ہے کہ جب الفاظ نے ذہن کو بالکل سحر کر لیا ہو اس طرح کہ معانی
کی بالکل خبر نہ ہو اور اگر خبر ہے بھی تو توجہ انکی طرف نہ پائی جائے۔

الفاظ اذہر اور معانی کی طرف سے چشم پوشی کسی طرح قرآن و حدیث
کی رو سے قابل استحسان نہیں ہے۔ قرآن مجید ہمیشہ اپنے نقطہ نظر کو
امثال کے ذریعہ سے واضح کرتا ہے یہ ولقد ضربنا للناس فی القرآن

من کل مثل " (ہم نے لوگوں کے سمجھنے کے لیے قرآن میں ہر قسم کی مثال ذکر کر دی ہے)

میں نے اپنے اسی مخصوص رنگ میں ارشاد کیا ہے

مثال لذی من حلول التورۃ مثال ان لوگوں کی جن کو قدرت کا
نہ لہم یحلوھا کمثل الحمارا حامل بنا دیا گیا پھر وہ اُسکو برداشت
یحمل اسفادہ رث سورہ جمعہ ذکر سکے اُس گڈھے کی سی ہے جو
کتابوں کو اپنی پشت پر لادے ہوئے ہو۔ علمائے معنی و بیان سے دریافت
کر دے کہ وجہ مشابہت اس آیت میں کیا ہے۔

محقق تقاضائی مطول میں لکھتے ہیں:-

العقلی من وجہ المشبہا العقلی وجہ شبہ کی مثال منہائی
کھڑا ان کا انتفاع بالبلغ نافع نفع رساں شے کی منفعت سے محروم
مع تحمل التعب فی استصحابہ رہنا ہی باوجود برداشت زحمت کے
فی قلمہ تعالیٰ مثل الذین اُسکے ساتھ رکھنے میں اسلر شد وباری
حملوا التورۃ نہ لہم یحلوھا مثال میں کہ مثال ان لوگوں کی
کمثل الحمار یحمل اسفار جمع جو قدرت کے حامل بنائے گئے۔
سفر کبیر السیرین وهو الکتاب پھر وہ اُس کو نہ اٹھا سکے مثال
ولا شاک ان ونبہ الشبہ فی طار کی ہے جو اسفار کو اٹھائے ہوئے

احبار المجہود بالحکم والحق عقلی
منتزعة من عدة امور کلافة
سروعی من الحمار فعل مخصوص
هو الحمل وان یکون المحمول
شیئاً مخصوصاً وهو الاسفار
اللتی هی اشیاء العنوم وان
الحمار جاهل بها فیها
وکن اسے جانب المشبه

ہو اسفار جمع سفر کی ہے جس کے معنی
کتب کہیں اور اس میں شک نہیں
کہ وجہ مشابہت یہود کی حمار کے ساتھ
اخریٰ ہے جو چند امور سے منتشر ہے
اس لیے کہ حمار میں ایک فعل مخصوص
یعنی اٹھائے ہونے کا اعتبار کیا گیا
ہے اور اس بات کا لحاظ ہے کہ وہ
تھے جس کو حمار نے اٹھایا ہے کتابیں

ہیں کہ جو وہ بعیت واد علم ہوا کرتی ہیں
اور پھر یہ کہ گدھا جاہل ہے ان مطالب سے کہ جو ان کتابوں میں ہیں اور
یہی صورت مشبہ (یہود) اور حمل تو بیت میں بھی ہے۔

آیات قرآن جو معیار قائم کر دیں ان میں تفسیر و تبدل کی گنجائش نہیں
وجہ مشبہ اس آیت میں جب نفع ہو گئی تو کیا ایک ایسا شخص جو حافظ قرآن کے
حفظ میں پوری کوشش صرف کرے اور اس میں جانفشانی و عرق ریزی
کرے، دل و دماغ کو رحمت و تکلیف پہنچائے مگر اس کی مطالب سے

نفع یاب نہ، معافی کی طرف توجہ سے قاصر اور ایذا نہ کے آخری دور میں لب
کے اور ایک سے محروم رہے وہ عنون ایسی جماعت ظاہر ہوگی جن کا عمر کم

مذکورہ بالا وجہ شبہ اس میں بدرجہ اتم موجود ہے۔

اس قسم کا حفظ قرآن کوئی مجدد و وصف نہیں ہے بلکہ مستند احادیث صحیحہ میں مذمت کے موقع پر پیش کیا گیا ہے۔ ہر خطہ ہر صحیح بخاری صفحہ ۷۵۶ مطبوعہ کرزن پریس لاہور۔

عن ابی سعید الخدری اندر
قال سمعت رسول الله صلى الله
عليه وسلم يقول يخرج
فيكم قوم يخفون صلواتكم
مع صلواتكم وحبياكم مع
حبيا محمد وعلمكم مع علمكم
وقراؤن القرآن لا يجاوز
خناجرهم يرقون من الدين
كما يرق السم من الومية
ينظر في المنهل فلا يرى شيئا
ويتطحن في القدر فلا يرى شيئا
ويتطحن في الرحى فلا يرى شيئا
ويتجاري في الفوق۔

ابو سعید خدری ناقل ہیں کہ میں نے
رسالتنا کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ
کچھ لوگ تم میں پیدا ہوں گے کہ تنگی
نمازوں کے سامنے تم اپنی نمازوں
کو اور ان کے روزوں کے سامنے
اپنے روزوں کو اور ان کے تمام
اعمال کے مقابلہ میں اپنے اعمال کو
بے حقیقت سمجھ گئے وہ قرآن مجید
کو اس طرح پڑھیں گے کہ ان کے
گلوں کے آگے نہ بڑھ سکے گا، یعنی
صرف آوازیں ان کے گلوں میں
گروشن کرتی ہوں گی لیکن معانی
و ان تک نہ پہنچیں گے اور وہ اس کے

اس طرح نکلیں گے جیسے تیرت نہ کرنا نہ کر سکیجائے۔ تیر کے پھل میں دیکھو تو
شکار کے خون کا کچھ اثر نہ دکھائی دے، تیر کی لکڑی میں دیکھو تو بھی کچھ
اثر نظر نہ آئے گا تیر کے پروں پر نظر کر دو تب بھی کچھ اثر نہ معلوم ہو، اسی
سو فہر میں بھی شک ہو کہ کچھ اثر ہے یا نہیں اسی طرح ان لوگوں کے قرآن
پڑھنے کی یہ شان ہوگی کہ ان پر کوئی اثر اس کا نہ ہوگا، ان کے دل پر چہرہ
پر دیگر اعضا پر نادب قرآن کی تاثیر نہ ہوگی۔

معلوم ہوا کہ ایسا حفظ قرآن جو صرف اتفاقاً تک محدود ہو اور ایسا
قرأت قرآن کرے جو معانی سے چشم پوشی کے ساتھ ہو نتیجہ بخش نہیں ہے چنانچہ
علامہ تفسیر لانی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے

یعنی قند السعد المرئی بحیث	مراد حضرت کی یہ ہے کہ تیر نشانہ سے
للمرئع لای بہ شئی لہم یظہر اثرہ	اس طرح گزر گیا ہو کہ وہ خون سے بالکل
فیہ فکذلک قرأ عتق لا یحصل	آلودہ نہ ہو اور اس پر کچھ بھی اثر ظاہر
لہم منھا فائدہ	نہ اسی طرح ان لوگوں کی قرأت

سے ان کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

ووسری حدیث عن عبد اللہ	ابن مسعود سے نقل ہے کہ حضرت رسول
بن مسعود قال قال رسول اللہ	نے فرمایا زمانہ کے آخری دور میں ایک
صلی اللہ علیہ وسلم ینخرج بے	ایسی جماعت نکلیں جو ان کی عمریں

آخر الزمان قوم احسان
الاستقام سفہاء الاحلام
تقولون من خیر قول لنا من
یقراون القرآن لا یجاوز تراجمہ
سمیع ابن ماجہ اصنفہ طبع مصر

میسری حدیث من ابی ذر
قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ان بعدی من
استقی قومًا یقراون القرآن
لا یجاوز حلو ترجمہ

چوتھی حدیث عن جابر بن
عبد اللہ قال کان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم بالمحجرۃ
وهو یقسم التجر والفضائم وهو
فی حجر بلال فقال رجل عدل
یا محمد فانک لست تعدل فقال
ویلک ومن عدل بعدی

عقلیں ناقص ہوں گی۔ زبان اٹکے
وغیرے بڑے اچھے ہوں گے
وہ قرآن کو رٹتے ہوں گے لیکن
سطح کہ گویا ہے آگے بڑھنے نہ پائیں

ابو ذر غنہ رہی سے روایت کی ہے کہ
رسالتاً نے فرمایا کہ میرے بعد میری
امت میں ضرور ایسی جماعت آنے والی
ہے جو قرآن کو رٹتے ہوں گے اس طرح
کہ حلق سے تجاوز نہ کرے۔

جابر انصاری کی زبانی منقول ہے کہ
جناب رسالتاً مقام حجرہ میں فرما کر
تھے، بلال کے دامن میں مال غنیمت
کا طلاؤں نقرہ تھا اور حضرت اسکو
تقسیم فرما رہے تھے ایک شخص نے
حضرت کو نام لے کر آواز دی اور کہا
کہ بدالت سے کام لو تم نے عدالت

اذا الله اعدل فقال عمر دعتي
يا رسول الله حتى اضرب عنق
هذه المنافق فقال رسول الله
صلى الله عليه وسلم ان هذا
في اصحاب لم يقرؤن القرآن
لا يجاوزوا فصحرا

جماعت کے ساتھ نکلے گا جو قرآن کا ورد کرنے کے اس طرح کہ گویا سے نیچے نہ اترے۔
عبد اللہ ابن عمر نقل میں کہ کتاب
نے فرمایا ایک ایسی نئی جماعت پیدا ہوگی
کہ جو قرآن کو پڑھتے ہوں گے اس طرح سے
کہ ان کے گویا کے آگے نہ بڑھے

پانچویں حدیث عن ابن عمر
ان رسول الله صلى الله عليه
وسلم قال نبينا فثو يقرؤون
القرآن لا يجاوزوا فصحرا
چھٹی حدیث عن انس بن
مالك قال قال رسول الله صلى الله
عليه وسلم يخرج قوم في آخر
الزمان ادنى هذه الامم
يقرؤون القرآن لا يجاوزوا فصحرا
وحدو قعيم الخ (ابن ماجہ صفحہ ۳۸)

والنصان سے کام نہیں لیا حضرت
نے فرمایا وہ سب بچہ ہیں میں نے عدالت
نہیں کی تو یہ سب سوا کون ہو سکتا ہے
جو عدالت کرے عمر نے عرض کیا کہ مجھ کو
اجازت دیجئے اسکو قتل کر دو انہوں نے
حضرت نے فرمایا (نہیں) یہ ایک ایسی
جماعت کے ساتھ نکلے گا جو قرآن کا ورد کرنے کے اس طرح کہ گویا سے نیچے نہ اترے۔
عبد اللہ ابن عمر نقل میں کہ کتاب
نے فرمایا ایک ایسی نئی جماعت پیدا ہوگی
کہ جو قرآن کو پڑھتے ہوں گے اس طرح سے
کہ ان کے گویا کے آگے نہ بڑھے
انس بن مالک نے روایت کی ہے کہ
جناب کتاب نے فرمایا ایک جماعت
آخری دور میں یا اس امت میں ایسی
نہ ہوگی کہ جو قرآن کا ورد کرتے
ہوں گے اس طرح کہ ان کے گویا سے
نیچے نہ اترے۔

اس قسم کے احادیث کا تعلق اگرچہ خدایہ نصوص کے ساتھ ہے اور یہ بھی ہے اور معانی کو مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے، لیکن ہم اس بات کو رکھنا چاہتے تھے کہ قرآن کا حفظ اس طرح سے کہ وہ الفاظ تک محدود ہے اور معانی کا اثر نفس پر نہ پڑے نہ سبھی نقطہ نظر سے کوئی قابل مدح صفت نہیں ہے بلکہ مذمت کے موقع پر ذکر کا مستحق ہے اور یہ امر مذکور ہونا احادیث سے صاف ظاہر ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت و قرائت اور اس کے فوائد

الفاظ و معانی کے مخصوص ارتباط کا فلسفہ جو سابق میں بیان کیا جا چکا ہے اس پر نظر رکھتے ہوئے قرآن مجید کی تلاوت اور اس پر تکرار نظر کے جتنے فوائد ہو سکتے ہیں ان کا تعلق معانی کے ساتھ الفاظ سے زیادہ ہے، وہ اصولی فوائد و غایات جن کا حصول قرآن مجید کے مذاکرہ اور مطالعہ سے ہو سکتا ہے ان کو سلسلہ وار لکھ کر ہم دکھلا دیں گے کہ ان کے اندر الفاظ کا زیادہ دخل حاصل ہے یا معانی کو؟

پہلا فائدہ بہر تفسیر کے صدق کا ثبوت معجزہ پر ہو تو یہ ہے، یہی وہ شے ہے جو سمجھائی کی کسوٹی اور حقانیت کا معیار ہے ورنہ زبان سے تو ان اللہ کدنیے

اور اے بھی نہیں چھپتے، نبوت کا دعویٰ کو نہ سنا مشکل ہے لیکن معجزہ یہ ہے جو
 حق کو یہ طے سے جدا کر دیتا ہے اور اُس کے باعث سے غلط بیان یا دھوکہ
 یا عیان نبوت کی زبان بندی ہو جاتی اور اُن کے دھند نہیں لگ جاتے ہیں
 مبداءِ عالم سے جتنے انبیاء و مرسلین سے اُن کا معجزہ قوی تھا اور اسی عہد کے اشخاص
 سے تسلیم ختم کرانے کے لئے کافی ہو سکتا تھا، اسی وجہ سے اُس صدق کے پلٹنے
 کے ساتھ اُن کی نبوت پر بھی افسانہ ماضی نہیں اگر قرآن و حدیث کی گواہیوں نے
 ہم کو اُن بیاہ کے صدق کا قیام نہ دلا تو ہم کو اُن کی نبوت کے صحیح تسلیم
 کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی اور اس وجہ سے عیسائی عاجز ہیں کہ وہ موسوی قوم
 کے سامنے اپنے مسیح کو نبوت کو ثابت کر سکیں کیونکہ اُن کے پاس اپنے دعوے
 کا ثبوت سوائے مشتبہ اور غیر یقینی قصوں و حکایتوں کے کچھ بھی نہیں موجود ہے
 اور اسی کے نتیجہ میں یہ کہو کہ جن اشخاص کے متعلق اسلامی نصوص نے
 نبوت کی گواہی نہیں دی ہے، اُن کی نبوت مشتبہ صورت میں باقی رہی اور دنیا
 کی کوئی طاقت اُن کو صحیح ثابت نہیں کر سکتی۔

دہی اشعل با یوں وہ تھینی خیال آراہیوں کی بات دوسری ہے۔

سکندر ذوالقمرین ہوں باندہ دشت حکیم باندہ وستان کے قدیمی دیوتا جل
 قدامت اور بزرگی کی حکایتیں بڑے شد و مد سے نقل کی جاتی ہیں لیکن انکی
 اصطلاحی نبوت بے اساس احتمالات و تخیلات کے احاطہ سے نکل کر کبھی

یقینیات کے دائرہ میں داخل نہیں ہو سکتی؟

یہ رسول اسلام کی خصوصیت تھی کہ خداوند عالم کی جانب سے آپ کو جبار وہ ہزاروں معجزات عطا ہوئے جو انبیائے سابقین کے معجزات کی طرح وقتی حیثیت رکھتے تھے۔ اُن کے علاوہ سب سے روشن اور حیرت انگیز معجزہ قرآن عطا ہوا ہے جو ایک مخصوص وقت پر بول کر سکتا ہو جانے والا گواہ نہیں اور نہ ایک دفعہ روشن ہو کر خاموش ہو جانے والا چراغ ہے بلکہ وہ بقا و دوام اور ابدی حیثیت کا مالک ہے اور ہمیشہ خاتم الانبیاء کی نبوت پر روشنی ڈالنے کیلئے موجود ہے۔

اُس کے ذریعہ سے ہر عہد میں شکر رسالت پر حجت خدا تمام اور حقانیت کا چراغ پوری جلوہ آرائی کے ساتھ روشن ہے لہذا یہ کتاب ایسی ہے جس پر اطلاع حاصل کرنے سے نبوت سالکتاب تقلیدی دائرہ سے نکل کر تحقیقی حدود میں آجاتی ہے اور ایمان بالرسول کی روح تازہ ہوتی رہتی ہے۔ یہ بہت بڑا قرآن کا فائدہ ہے جس پر اسلامی حقائق کی بنیاد اور آخری نجات کا دار و مدار ہے۔ سطحی نظروں سے دیکھنے پر شبہ ہو سکتا ہے کہ اس فائدہ کا تعلق معانی سے نہیں بلکہ الفاظ کے ساتھ ہے لیکن تھوڑے سے تامل کے بعد یہ امر یقینی ہو جاتا ہے کہ صرف الفاظ سے یہ فائدہ قطعی حاصل نہیں ہو سکتا۔

بعض مستشرقین اہل مغرب کا خیال ضرور ہے کہ لفظ قرآن میں ایک
 سبقتی نسبت اور عظیم کیفیت پائی جاتی ہے، اور وہی اس کے اندر مقصدی
 کشش پیدا کرنے کی فہم و ادراک ہے لیکن یہ خیال محض خیال و درحقیقت قرآن
 کی اعجازی طاقت کے مقابلہ میں اپنی شکست کا استراحت ہے۔ اعجاز قرآن
 کا تعلق نہ وجود فصاحت اور لطافت ترتیب نظم کلام سے ہے نہ کلمات
 قرآن اپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں اور اس بنا پر یہ فائدہ مخصوص ہے انہی
 افراد سے جو معانی مستعدین اور ان کے ارتباط و انتظام اور انہی کے
 اعتبار سے الفاظ کی مناسبت و اس کا اندازہ کرنے کی صلاحیت رکھیں۔
 صرف الفاظ شناس اور حروف آشنا شخص کے لئے اس سے بہرہ یاب
 ہونے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے بلکہ محققین نے یہ طے کیا ہے کہ معانی سے
 قطع نظر کر کے اگر دیکھا جائے تو کسی کلام میں کوئی فضیلت و حسن پیدا ہی
 نہیں ہو سکتا اور نہ ایک کلام کو دوسرے پر کوئی امتیاز و فوقیت حاصل ہے
 بلکہ تفرق و امتیاز و کلاموں میں جو کچھ بھی پیدا ہوتا ہے وہ الفاظ و معانی
 کی اجتماعی حیثیت سے۔

جب فضیلت و امتیاز اور بلاغت کلام معانی سے وابستہ ہے تو ظاہر ہے
 کہ یہی فضیلت و بلاغت بڑھتے بڑھتے قرآن میں روح اعجاز بن گئی ہے لہذا
 اعجاز بھی معانی ہی سے وابستہ ہو سکتا ہے۔

علامہ عبدالقاسم حیرجانی اپنی کتاب درمائل الاعجاز صفحہ ۳۰ میں اس امر کے اثبات میں کہ اعجاز اور فضیلت کا نشوونما معانی سے ہوتا ہے نہ صرف الفاظ سے یہ نظر انداز ہیں :-

صل تشك اذا فكرت في قوله	جب اس آیت میں غور کرو کہ کہا گیا
تعالى حروقل بالارض المبعی	۱۰۔ اے زمین نگار اے اپنے پانی کو اور اے
ماءك وبماء اقلی وغض	سمان تو عافتم ہوا اور پانی زمینیں
الماء وقضى الكاهر واستوت	کر دیا گیا اور جو ہونا تھا وہ ہو چکا اور
على الجودی وقيل بعد اللقم	کشی نوح کوہ جودی پر پٹھری اور کہا
الظالمین) فتجلى لك منها	گیا کہ رحمت خدا سے دوری ہو ظالم
الاعجاز وعجزك الذی تری	گر وہ کیلئے اور تمہارے سامنے
وتسمع انك لم تجد ما وجدت	اس آیت سے شان اعجاز ہویدا ہوئی
من المزية الطاهرة والفضيلة	مادہ بلاغت کے جلوہ آرا منظر نے
القاهرة الا كما مرجع الى	محو حیرت بنادیا تو کیا اس بات میں
ارتياء هذه الكلمة	شک ہو سکتا ہے کہ یہ کھلی ہوئی خصوصیت
بعضها ببعض وان لم يعرفها	اور بہت شکر فضیلت جو اس کلام
لها الحسن والشرف الا من	میں تملک دھندائی دی ہے یہ نہیں ہے
حيث لاقت الاولى بالثانية	مگر ایسی جہت سے کہ جو ایک کلمہ کے

والثالثة بالترابعة وهكذا
 الى ان تستقر الى اخرها و
 ان الفضل نتائج ما يليه وحصل
 من مجموعها ادم شكك فمائل
 بكل قرى نقطة منها بحيث لو خذت
 من بين الخواص والقرود
 لادمت من الغضا حتما فوديه
 وهي في مكانه من الاصل
 والبعي واعدت برها ودرها
 من غير ان تنظر الى ما قبلها
 والى ما بعد ها وكنك لك فاعتبر
 به انك بليها وكيف بالمشك في
 ذلك ومعلوم ان صلب
 العظمة في ان فوديت الارض
 ثم امرت فخر ان كان المذاع
 بيا دون اي مخويا ايها الارض
 ثم احضرت المباء الى الكاف دون

دوسرے کلمہ کے ساتھ ربط سے تعلق
 رکھتی ہے اور یہ خوبی و شرف نہیں پیدا
 ہوا ہے مگر اس کا فائدہ سے کہ پہلا کلمہ
 دوسرے کلمہ سے اور دوسرا تیسرے
 سے اور تیسرا چوتھے سے۔ اسی طرح آخر
 آیت کے ساتھ دگر بیاں ہے۔ اور
 اسی زبردست تسلسل اور جوڑ کے اندر
 فضیلت کی پیدائش ہوتی ہے۔ اچھا
 گراس میں تنگ ہو تو بوں سمجھو کہ کیا انیس
 سے کوئی لفظ بھی ایسی ہے کہ اگر اپنی
 ہمسایہ لفظوں کے پاس سے ہٹائی جائے
 اور تنہا کر دی جائے تو وہ اسی طرح
 فصاحت کے حق کو ہوا کر دے گی جس طرح
 وہ اپنے جگہ پر رہتے ہوئے۔ داکر ہی
 ہے جھکھو راہی بافت صرف اسی لفظ پر
 نگاہ ڈالو بغیر اس کے کہ اس کے قبل
 بعد کے الفاظ پر نظر کرو۔ اسی طرح دگر

ان يقال بفتح الميم والماء ثم ان اتبع
 مذ آء الارض وارضها با هو
 من شاعنا مذاء السماء وارضها
 كذلك بما يخصها ثم ان قيل
 وغيض الماء فجاء الفعل
 على صيغة مفعلة لانه على
 انه لم يغيض الا بامر الله
 قدس سره قادر شعا كيد
 ذلك وتقريره بقوله تعالى
 (وقضى الامر) ثم ذكر ما هو
 قائل في هذه الامور
 وهو (استوت على الجودي)
 ثم اضمار الشفعية قبل
 الدكر كما هو شرط الفخامة
 والدلالة على عظم الشأن
 بجهة مقابلة قيل في الفخامة
 جليل في الفخامة افقرى لشيئ

بعد الى نفوس کتباتها وکچھ دیکھو تو کیا ہم
 کچھ بھی نصاحت باقی رہتی ہے؟ اور
 بات ہے کہ جو کچھ عظمت اس کلام میں
 ہوئی ہے وہ اس بات سے ہے کہ
 زمین کو آواز دی گئی (جو آئے دل ملک
 کی اہمیت کو بتلا کر زمین کو تو نہیں لیگا
 سننے والے کو ہمت بخش دینا یعنی ہے
 بھروسہ کو حکم دیا گیا رحیم راہ میں
 کہ تشریفی یاس میں مرکز کا نور پہنچا
 پیش کیا گیا ہے اور اس میں نافرمانی اور
 خلاف ہدایت کی گنجائش نہیں (پھر یہ کم
 مزاجین باکے ساتھ ہوتی نہ ہی کیا تھا
 حبیب یا امتیہ کا ارمان رکھو کہ اس میں
 عبارت میں کلام کی بے ساختگی کو ایک
 غیر معمولی دھچکا لگتا ہے اور تمام طبقات
 ارض کو شخص واحد میں کر کے اس کے
 نام کو علم کی صوبت میں پیش کرنے کی

من هذه الخصائص التي
 تميزها بالاعجاب وروعة
 تضررات عند تصورهما
 هيبة تحيط بالنفوس من
 اظهارها تعلقاتها باللفظ من
 حيث هو ضوئ مسموع و
 حروف تتوالى في الفلق ام كل
 ذلك لما بين معاني الالفاظ
 من الاشواق العجيب فقد
 اضع اذن ايضا حلا ليدع
 للشك محال ان الالفاظ لا
 تتفاضل من حيث هي الفاظ
 مجردة ولا من حيث هي كلام
 مفردة وان الالفاظ تثبت
 لها الخصيلة وغلا فها في ملائمة
 معنى اللفظة لمعنى التي تليها او
 ما اشبه ذلك مما لا تغفل له

غرض بھی فوت ہوتی ہے (بھیرا کی نشہ
 کو ضمیر کون کی طرف متضاد کہا گیا
 پر کہ کما جائے ابلق الماء (جس سے
 اس امر کی طرف متضاد اشارہ ہو گیا کہ زمین
 ہی کا حق ہے کہ وہ اس پانی کو جذب
 کرے کیونکہ وہ زمین ہی سے اُٹا ہوا
 ہے اور کل شئی پر جمع الی اصلہ
 کے مشورہ فلسفہ پر بھی روشنی پڑ گئی)
 بھیرا کہ زمین کی نداء اور اس کے شاہان
 شان حکم دینے کے بعد آسمان کو ندا کی گئی
 اور اس کو بھی وہی حکم دیا گیا جو اس سے
 تعلق رکھتا تھا (یعنی یہ کہ وہ اپنے اوپر
 چھائے ہوئے بادلوں کی چنگیری کو
 کھودے اور اس طرح وہ بارش کا سلسلہ
 جس نے عالم عنفرویات کو حرق آب
 کر دیا ہے منقطع ہو جائے) بھیرا کی غرض
 الماء (جو حقیقت ساقیہ حکام کے

بصیرۃ الخاطی

ان ذوالہ ان کے نتیجہ میں اٹھان سے

ردائل لا عجزاً مطبوعہ مصر ۱۳۱۱

و فیصل میمول رہا گیا جس سے معلوم ہوتا

ہے کہ بانی جو تہ نشین ہوا وہ ایک حاکم کے حکم اندازہ بندی کی قدرت سے (نہ خود بخود)

پھر اس کی ناکسیدگی گئی قول خدا رو قضاۃ الامر کے ساتھ (اور اس طرح عذاب سے)

ہلاک شدہ تمام کے آخری انجام کی طرف سے تباہی میں بین کرتے ہوئے الہی سلطنت

کے پروردگار اور اس کی وسیع ہیئت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے (بھڑان سب باتوں

سے جو تباہ اور حقیقی ناسیت تھی اس کو "اسنوت علی الجودی" کہہ کر ظاہر کیا گیا۔

اور یہ دکھایا گیا کہ عذاب عظیم کے عالمگیر مصائب سے کس طرح خدا کے مخصوص

بندے نجات پا جاتے ہیں) پھر سفینہ (کشتی نوح) کی طرف اس کا تذکرہ کیے بغیر ضریر

پھیری گئی جو عظمت شان کی نظر سے (یعنی موقع کی اہمیت و نزاکت کو دیکھتے ہوئے)

مخاطب کے ذہن میں گشتی کا خیال ہونا ضروری ہے اور وہ اس کا مستحق ہے

کہ اس کا اشارہ سننے ہی ذہن اس کی طرف منتقل ہو جائے (پھر تبدلے کا نام میں جو

قبیل کی لفظ تھی اس کی موافقت میں شاعر کے اندر بھی لفظ نہیں کا عاودہ کیا گیا۔

وقیل بعد الاغوم الظالمین) کیا خصوصیات جو اپنی مجازی شان سے وہشت

میں ڈال دیتے ہیں اور ان کے تصور سے ایسی ہیبت ہوتی ہے جو نفس کو تمام اطراف

سے گھیر لیتی ہے۔ ان کو کچھ تعلق الفاذا کی اس حیثیت کے ساتھ ہے کہ وہ ذہن سے

نکلنے والی آواز ہے جو گوش گزار ہوتی ہے اور حرکت میں جو بات کرنے میں پہلو پہلو

موجود ہوتے ہیں؟ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہ سب اس بے مثل اور عجیب و غریب نظام و تسلسل کا نتیجہ ہے جو ان الفاظ کے معانی میں درہقت ہے؟ ایسا بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ اس طرح کہ شک کی گنجائش نہیں کہ الفاظ میں غیاظ و نفوذ صرف الفاظ ہونے کی حیثیت سے پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ الفاظ کی لمبائی و درہقت اس حسیدگی اور ارتباط کا نتیجہ ہے جو ان الفاظ کے معانی میں پایا جاتا ہے یا اور ایسے ہی خصوصیات کا جو تنہا الفاظ کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے ہیں۔

ہم نے یہ یہ کلام باوجود غیر معمولی طول رکھنے کے اسی جہت سے نقل کر دیا کہ اس کے بعد اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ اعجاز قرآن کا تعلق معانی کے ساتھ ہے، صرف الفاظ کے ساتھ نہیں ہے۔

دوسرا فائدہ قرآن مجید اسلامی قوانین و احکام کا مجموعہ ہے۔ اس میں ہدایات موجود ہیں جن پر عمل کرنا انسانی فلاح و نجات کا ذمہ دار ہے۔ اس میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے ایسے سبق ہیں جن پر عمل پیرا ہونا جامعہ بشری کی حقیقی ترقی اور صحیح شیرازہ بندی کا معیار ہے۔ اس نے عبادات، معاملات، حدود و آیات، عوارض، عقود، فرائض، شخص اور معاشرت، باہمی، کسی شعبہ کو نشہ نہیں چھوڑا ہے، اور ہر ایک کی نسبت جزئی یا کلی، اجمالی یا تفصیلی بیانات موجود ہیں۔

اس لیے ایک انسان حقائق قرآنی کی معرفت کے ساتھ صحیح معنی میں

اشنان بن سکتا ہے لیکن یہ اسی وقت ہے جب قرآن مجید کے معانی پر
اطلاع حاصل کرے، ورنہ اس کے مطالب سے ناخبر ہو۔

زبان سے اذا قمتم الى الصلوة فاعسلوا وجوهكم وايديكم
اور ان کنتم جنب فامضوا رخ نوران الصلوة کانت علی المؤمنین
کتابا بارخ نور کتب علیکم الصیام اور لله علی الناس حج البيت اور اقوا
الزکوة کئے والا اور اسے انہر یاد کر نیو والا وضو غسل نماز روزہ حج
زکوٰۃ کے مسائل سے واقف نہیں ہو سکتا اور نہ لانا کھانا صوا الکھنکم
بالباطل الا ان تكون تجارة عن قراض اور احل الله البيع
وهم الربوا اور ما کھو ما کھ من الفساء مشقی وثلث وربع اور
اذا طلقتم الفساء فطلقوهن بعد تحقن کے الفاظ کو محفوظ کر نیو اور
تجارت بیع ربوا بطلح طلاق کے احکام پر مطلع سمجھا جاسکتا ہے۔
اور نہ کتب علیکم الاقصاص فی القتل اور الاذن بالاذن
والسن بالسن اور یوصیکم الله فی اولادکم الذکر مثل
حظ الانثیین وغیرہ آیات کا ورد کرنے والا قصاص دیات اور سیر
کے مسائل پر عمل نہ کرنے کا دعویٰ ہو سکتا ہے۔ اور نہ ام الحوا ذات یتیم
لا تباذوا بالانقاب لا یقرب بعضکم بعضنا انما المؤمنون
احوة الفتنۃ انشد من القتل لا تضدوا فی لامرض وغیرہ

آیات کو بڑی کوشش سے رٹنے والے اور حفظ کرنے والا ان تمدنی و انسانی تعلیمات سے کوئی فائدہ اٹھا سکتا ہے جو ان آیات میں سمجھیں۔ یقیناً اس فائدہ کا تاثر انحصار ان آیات کے معانی سمجھنے اور ان کے محفوظ رکھنے کے اوپر ہے اور اس کا بصرف الفاظ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

قرآن مجید میں اہم سیاق و سباق کے واقعات اور انبیائے سلف تفسیر فائدہ کے حقائق بیان کئے گئے ہیں۔ اس غرض سے کہ امت ان سے سبق لے اور عبرت حاصل کرے جیسا کہ ارشاد ہوا فانقص القصص لحکمہ و تفکر و ان کے سامنے واقعات و حالات کا تذکرہ کر دیا کہ پھر وہ فکر سے کام لیں و لقد کان فی قصصہم عبرۃ لاولی الابصار ان کے قصوں میں صاحبان عقل کے لیے سبق ہیں۔ و کلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت بہ فوادک و جاہلون فی ہذہ الحق و موعظۃ و ذکر لى المؤمنین ہر ایک بات جو انبیاء کے واقعات میں سے ہم تمھارے سامنے پیش کرتے ہیں وہ ایسی ہی ہے کہ جس کے ذریعہ سے تمھارے دل کو اطمینان حاصل ہو اور انھی کے ذیل میں تمھاری جانب حق کی تبلیغ ہوگی اور مومنین کے لیے نصیحتیں اہم پاؤں گے۔

لیکن یہ فائدہ سورہ قصص کو ازبر یاد کرنے اور سورہ یوسف کے زبانی

حفظ کرنے اور سورہ ہود کے بخوبی رٹنے اور سورہ شعراء کے مکرر سہ کر ر
 ورو کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتا جبکہ معانی اُس کے غیر مفہوم اور نامعلوم ہوں
 بلکہ ضرورت ہے کہ لفظ تمام سورتوں اور آیتوں کے معانی سمجھے اور محفوظ رکھے
 جائیں جنہیں ان واقعات کا تذکرہ ہے اور اُسی وقت یہ غرض و مقصد پورا ہو سکتا
 ہے لہذا اس فائدہ کا تعلق بھی معانی کے ساتھ ہے، الفاظ کیساتھ نہیں ہے

قرآن مجید میں جو عدد و حدیث کباب خاص طور سے تشریح کی گئی
 چوتھا فائدہ کے لئے ہے اور اُس کا مقصد یہ ہے کہ ثواب آخرت

کے ثمرے بڑے نیک کا ثمرہ اور عقاب بُخروی کے تذکرے جو بڑا اعمال کا نتیجہ
 ہیں انسانی طبائع میں جزر و مد پیدا کر کے اطاعت سے قریب اور معصیت سے
 دور کریں لیکن یہ فائدہ صرف الفاظ سے کسب حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ معانی
 کے سمجھنے محفوظ کرنے کی ضرورت ہے۔

اصول عقائد تمام عقل پر مبنی ہیں اور عقلی دلائل وہ
 پانچوال فائدہ ہیں جو توحید و نبوت کے عین مسائل میں انسان کے

راستہ ہیں لیکن ادہام اور دساد میں نفسانی اکثر عقلی ادھاکات پر پردہ ڈال کر
 اُس کو منکالت و گمراہی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

انبیاء و محصلین کے ہدایات اُن عقلی ادھاکات کے آئینہ پرست توحیات
 کا غبار بٹھا کر اسکی جھلک دیتے اور عقل کو بیدار کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں ایسی حیثیت سے معارف و غیرہ عقائد مذہبیہ کے اور پر ایسے مضبوط
عقل و ذہن کا بھی تذکرہ ہے جن سے ایک لامتناہی مدد بانی علم کلام کی تدوین ہوتی
ہے۔ ان آیات پر غور کرنے سے عقل انسانی پیدا ہوتی اور خود اپنے ان جواہر ریزوں
سے باخبر مہر حق سب جوتہات و مشکوک کے غلطیوں نے عباد راہ و باہر فتن کر رہے
ہیں لیکن یہ فائدہ تعجب ہی حاصل ہو سکتا ہے جب قرآن مجید کے معانی کو صحیح
غور و خوض کے ساتھ دیکھا جائے۔ نہ یہ کہ اس کے الفاظ کو رٹ کر اسکے آیات
کو محفوظ کیا جائے۔

چھٹا فائدہ قرآن نے بہت سے ان تاریخی حقائق کو ان کے اصلی خط و خال
کے ساتھ پیش کیا جن کو یہود و نصاریٰ کی دستبرد اور کتر
بیہوشی نے تورات و انجیل اور ان کے طعنے کتب و رسائل میں مسخ کر کے غلط
صورت سے پیش کر دیا تھا اور جن سے انبیاء کے دامن عصمت اور راہنگی پاکیزگی
کے متعلق طرح طرح کی غلط فہمیوں کے ساتھ گمراہی کا اچھا خاصہ ذخیرہ مہیا ہو گیا
تھا۔ قرآن نے ان صحیح واقعات کو پیش کر کے ان غلطیوں کا استیصال کیا اور
حقیقت کو واضح کیا اور اس طرح تاریخی تحقیقات کے اہم فرائض کو انجام دیا لیکن
اس سے فائدہ جمعی تو اٹھایا جا سکتا ہے جب انسان ان آیات کو سمجھنے کی
کوشش کرے صرف ان کے الفاظ کو ذہنی یاد کر لینا اس فائدہ کو کبھی
حاصل نہیں کر سکتا۔

ساتواں فائدہ اسلامی احکام کا بہت سا ذخیرہ، احادیث میں بھی موجود ہے جن سے صحت مند اور معتبر ہونے کی شرط

کے ساتھ فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ اور ان کے اور عمل کرنا لازم ہے۔ لیکن احادیث میں راویوں کی بھول چوک یا کتب و بیوت نے اکثر جگہ تقاضا اور اختلاف کی صورت پیدا کر دی ہے جس کے لیے کتاب خدا حکم فرمادی گئی ہے۔ اور یہ کہتا ہے کہ حدیثوں کو کتاب خدا کے اوپر پیش کرو۔ جو اس کے عموماً و اطلاقات کے موافق نکلے اس کو لے لو اور جو مخالف ہو اسے ترک کر دو لیکن اس عظیم مقصد کے لیے فائدہ اٹھانے کا حق ان ہی لوگوں کو ہے جو قرآن مجید کے عموماً و خصوصاً مطلقات و مقیدات پر حاوی اور ان کے معانی پر عبور رکھتے ہیں جسرت الفاظ کے رٹنے میں پنی ہستی کو فنا کرنے والے افراد کسی اس مقصد کو حاصل نہیں کر سکتے۔

اٹھواں فائدہ قرآنی آیات میں اہل قدرت اور موزع عالم طبیعت کے متعلق وہ عظیم دنیا سے معلومات ہے جس کے طے کرنے میں بڑے سے بڑے فلسفی، نو ماہر علوم طبیعیات کے قدم بھی عاجز نہیں لیکن کیا نتیجہ اس وقت جب الفاظ کے جنط میں معانی کی خبر نہ رہے اور مطالب سے مطلب نہ رکھا گیا ہو۔

نواں فائدہ ہر ایک مقتدر اور وسیع الاحاطہ زبان ہے جس میں

گرا نقدر علی خزانے اور گنجینے مصنف ہیں اور اس لیے عربی علم ادب و دنیا کے تحقیقات
معلومات کا ایک خزانہ عامرہ ہے جس سے سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے اور
اس خزانہ کا بہت بڑا وارزہ قرآن مجید ہے۔

اس لیے معانی بیان لغت کو تصریف اور دیگر فنون بلاغت
میں قرآنی آیات کے شواہد کا وسیع ذخیرہ دستیاب ہوتا ہے۔ لیکن چھ کے قابل
ہیں اسے اشخاص جو اپنی عمر کا بڑا حصہ قرآن مجید کے اوپر صرف کر دیں گروہ جسکے
لفظی حفظ تک محدود رہے۔ اور اس کے ذمیت شدہ محاسن اور خصوصیات
و شواہد سے محروم ہی رہے ہوں۔

دوسوال فائدہ قرآن مجید کے دل ہلا دینے والے مواعظ و خوف الہی سے
دل کو معمور کر دینے والے انسانانی بنیاد ہستی کا رزہ ہر انعام
پر دینے والے عز و ستی کے سر کو پاش پاش کر دینے والے نزکیہ نفس کا باعث
اور تقائے روحانی کا سبب گرا کسی وقت جب فکر و نظر نے سانی کو سمجھا اور
اس سے اثر لیا ہو اور صرف الفاظ میں رہے نہیں اٹھان دیا ہو۔

اس بیان سے ہمارے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جتنے فوائد قرآن مجید کے
متصور ہو سکتے ہیں وہ سب اس کے معانی ہی کی فہم و اطلاع سے وابستہ
ہیں۔ دنیا والے کہ جو صرف اس کے الفاظ کے حفظ کرنے میں اپنی عمر کے بڑے
حصہ کو تلف کر دیتے ہیں وہ کسی طرح ان فوائد سے بہرہ مند نہیں ہوتے۔

سلف صالحین اور صدر اسلام کے اکابر ملت نے اس روایت کے اور
 افسوس کیا ہے اور قرآن مجید کے اہم پہلو یعنی تدبیر و عمل سے کنارہ کشی
 کے ساتھ اس کے غیر اہم پہلو یعنی حفظ قرآن میں پوری توجہ و انہماک پر اپنے
 بیخ و بوم کا اظہار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو سید مرتضیٰ زبیدی شایع قاسم کی کتاب
 و اتحاف السادة المتقين فی شرح احیاء علوم الدین، مطبوعہ مصر، ج ۱ ص ۱۷۲
 اخرج الخطیب فی کتاب الامتناع من رذایة عبد الصمد
 بن یزید قال سمعت الفضیل یقول انما نزل القرآن لیعمل بہ
 فالتخلف الناس فرأته عملاً قال فیل کیف العمل یرثہ قال ای لیجئوا
 خلاصہ و یجتنبوا احرامہ و یأثموا باحرامہ و یتجنبوا عن ذواہبہ و یحققوا
 عند عجائبہ

۱۔ فضیل کا قول ہے کہ قرآن نازل ہوا تھا اس لیے کہ اس پر عمل کیا جائے
 لیکن لوگوں نے اس کے خلاف کرنے کو عمل کا قائم مقام بنا لیا۔ کسی نے پوچھا
 اس پر عمل کرنے کے کیا معنی ہیں۔ کہا اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے حلال
 کو حلال سمجھیں اس کے حرام کو حرام سمجھیں، اس کے احکام کو بجالائیں۔
 اور اس کے منوعات کو ترک کریں، اس کے عجیب اسرار و معنی پر غور و خوض
 کے لیے توقف کریں۔

قال ابن عمر رضي الله عنهما عشنا
 بوهة من الدهر وان احدنا
 يؤتى الايمان قبل القرآن وتنزل
 السورة فيعلم حلالها وحرامها
 واما امرها وذاجرها وما ينبغي ان
 يتوقف عندها صحتها وصدقها
 رايت رجلا يؤتى احدهم
 القرآن قبل الايمان فيقرأها
 بين فالتحق الكتاب الى معاينة
 لا يدري ما امره ولا ذاجره
 وما ينبغي ان يقف عنده
 فيفسره نشر الدقل -

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے تھے کہ ایک
 راہنہ تھا کہ ہم لوگ (صحابہ) اور ان کو حاصل
 کرتے تھے قبل اس کے کہ قرآن کو حفظ کریں
 اور سورہ فارح پڑھنا تھا تو ہم لوگ اس کے
 حلال حرام، امر نہ سمجھتے تھے بلکہ
 کی معرفت حاصل کرتے تھے رخصت کو
 خدشہ اور نہ سمجھتے تھے بلکہ اب تر
 اکثر شیخ اس تقریر سے ہیں جنہیں قرآن حفظ
 ہو جائے مگر ان کا یہ نہیں ہے
 شروع سے لیکر قرآن حفظ
 کر دینے میں مگر جنہیں خبر نہیں ہوتی کہ
 کون آیات مکمل پر مشتمل ہیں اور کون ناس

پر کن آیات میں توقف کی ضرورت ہے۔ وہ قرآن کو اس طرح کھاتے ہیں جیسے
 خراب خشک خرے بکھرنے جلتے ہیں۔

عراقی نے کہا ہے کہ اخراجہ الطبرانی فی الاوسط والمحاکم فی
 المستدرک من روایۃ قاسم بن عوف الشیبانی قال سمعت
 ابن عمر یقول: "اس روایت کو طبرانی نے اوسط میں اور محاکم نے مستدرک

میں تاسم بن عوف شیبانی کے واسطے سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا
میں نے عبداللہ بن عمر کو فراتے سنا۔

قال بحاکم مصحیح علی شرط الشیخین ولا اعرف له عللہ ولم یجرح
.. حاکم نے کہا کہ یہ شیخین یعنی بخاری اور مسلم کے معیار مصحح و روایت سے ہیں
اس میں کوئی علت نہیں پاتا جسکی وجہ سے شیخین نے اسکو ترک کیا ہو؟

واخرج ابن جریر فی تفسیرہ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں غریف بن ابی
عن حدیث بن الیمان ان .. سے روایت کی ہے کہ حضرت نے ذکر
مرسول اللہ صلی اللہ علیہ فرمایا کہ آپ کی امت میں ایسا ہی جاحل
وسلم ذکر ان فی امتہ وما ہوگی جو قرآن کو حفظ کرے گی وہ قرآن کا
یقرؤن القرآن یشترکونہ اس طرح بکھرائیں گے جیسے خراب خشک
نفس الدقل یتأولونہ علی خرے بکھرائے جاتے ہیں۔ وہ اس کو قطعاً
غایتنا وبلہ لا یجاوز تراقیہم منی پھٹائیں گے قرآن ان کے گلوں سے
نسبق قرأ محتمل اجماعہم آگے نہ بڑھے گا انھیں قرآن حفظ ہوگا۔
بغیر اسکے کہ ایمان حاصل ہو۔

وفی خبر اخر بمثل معناه کتا ایک روایت میں ہے کہ ہم اصحاب رسول
اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ ایمان کے درجہ کو حاصل کرتے تھے تب
قلیہ وسلم اوتینا الایمان اس کے کہ حفظ قرآن کی کوشش کریں

قَبْلَ الْقُرْآنِ وَعَسَى أَنْ يَبْعَثَكُمْ
قَوْمٌ يُوْتُونَ الْقُرْآنَ قَبْلَ الْإِيمَانِ
وَيُفْسِدُونَ بِهِ دِينَكُمْ وَيُضِلُّوْنَ
حَدَّكُمْ وَيُتَوَلَّوْنَ قِسْرَ أَمْنَانَا
الْقُرْآنَ فَمَنْ أَقْرَأَ مِنَّا وَعَلِمْنَا
فَمَنْ أَعْلَمَ مِنَّا فَذَلِكَ حَقُّهُمْ
مِنْهُ — وَفِي لَفْظِ أَخْرَاجِ لِسَانِكَ
شَرَّاهُ خَلْفَ الْأَمْنَةِ

حَکْمًا اِدْرَافَ صَاحِبِ الْقُوَّةِ

لیکن: یہ ہے لوگ آنے والے ہیں جو
حفظ قرآن کریں گے قبل اس کے کہ ایمان
حاصل کریں، وہ عروفت و الغافل قرآن
کہ خوب یاد کریں گے لیکن اس کے مورد
اور احکام کو غفلت کریں گے وہ فراموش کریں گے
کیسے گے کہ ہم نے قرآن کو حفظ کیا ہے۔
کون ہم سے زیادہ حافظ قرآن ہے اس
پیر اس کا علم ہے تو کون ہم سے زیادہ
علم رکھتا ہے۔ پس اُن کا حصہ بھی ہو گا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ لوگ اس امت کے بدترین اشخاص ہیں۔
صاحب قوت، مغلوب نے اس روایت کا اسی صورت سے نقل کیا ہے۔

عَنْ جَنْدَبٍ قَالَ كَتَبَ مَعَ النَّبِيِّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ
فَتَيَانٌ فَتَعَلَّمْنَا كَلَامَ إِيْمَانٍ قَبْلَ
أَنْ نَتَعَلَّمَ الْقُرْآنَ ثُمَّ تَعَلَّمْنَا
الْقُرْآنَ فَازْدَحَدْنَا بِهِ إِيْمَانَنَا
وَأَسْنَحَهُ صِخْرًا وَالطَّبْعَ الْوَحْشِيَّ

جندب کی روایت ہے کہ ہم رسول اللہ
کی صحبت سے شرفیاب تھے اور اُس وقت
ہمارے ایمان کا عالم تھا کہ ہم نے ایمان
ایمان کو پہلے حاصل کیا پھر قرآن کی
تعلیم حاصل کی جب قرآن کی تعلیم
ان ایمان میں اور اسٹانہ ہوئی۔ اس

فیدوا تکر الیوم تعلوا القرآن روایت کی سند صحیح ہے۔ طبرانی نے

قبل الايمان وهو صحيح ايضا اتنا اعتاد کيسے کہ آج تم لوگوں کی

یہ حالت کہ ایمان حاصل کیے بغیر قرآن کی تعلیم دیتے ہو۔ یہ بڑا بھی صحیح السند ہے

ابن مسعود سے روایت ہے۔

افعل القرآن لیعمل بہ فاتخذتم قرآن اس لیے نازل ہوا تھا کہ اس

عمل کیا جائے مگر تم نے خود الفاظ قرآن

کے سبق کو اس پر عمل کا قائم مقام بنا

اور آئندہ کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو قرآن

کھانے کی طرح کھینچ جائیں گے یہ تم میں سے اچھے لوگ نہیں ہیں۔

دوسری روایت میں ہے۔

فیومہ اقامۃ الحدیث تجلوا وہ لوگ قرآن کو تیر کی طرح سیدھا کر لیں

اور اسے جلدی جلدی تیزی کیسے پڑھیں

اور دم لے لے کر نہیں پڑھیں گے۔

ایمان احادیث و روایات کو ذرا مطابق کیا جائے۔ حفاظ قرآن کی

موجودہ اکثریت کے ساتھ تو معلوم ہو گا کہ جو ہوشیاری اور صاف کانونہ سمجھ

جو پیش نظر ہے۔

سنن ابن ماجہ (مطبوعہ مصر ۱۲۵۹ھ) میں زیادہ سے زیادہ روایت

قال ذكر النبي صلى الله عليه
وسلم شيئاً فقال خلط
عند اوقات ذهاب العلم
قلت يا رسول الله وكيف
يتذهب العلم ونحوه
فقرأ القرآن ونفسه واما
ونفسه واما ابناءهم
الي يوم القيامة قال شككت
امك يا زبادان كنت
لا امرالك من افقه رجل
بالمدينة او ليس هذه
البحرود والنصارى
يقولون المتوسمة والابحار
لا يحملون البسطة مما فيها

رسالتی نے کسی بات کا ذکر کیا اور فرمایا
اس وقت ہوگا جب علم دنیا سے اٹھ جائے گا
میں نے عرض کیا علم کیونکر اٹھے گا حالانکہ
ہم قرآن کو حفظ کرتے ہیں اور اپنے بچوں کو
حفظ کرتے ہیں اور بعد اپنے بچوں کو حفظ
کرائیں گے۔ برابر خود قیامت تک مسلسل
ہے گا۔ حضرت نے فرمایا تیری اس کو تیرے
غم میرا دانا غیب ہو جس تو تجھے تمام اہل بیت
میں سے زیادہ سمجھا رکھنا تھا کیا بڑی
اور عیسائی قدرت اور انجیل کو حفظ
نہیں کرتے مگر ان کے مضامین پر
عمل نہیں کرتے ہیں اس اسی طرح
مسلمان بھی قرآن کو حفظ کریں گے اور ان کے
مضامین پر عمل نہ کریں گے

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس حفظ قرآن کا کوئی نتیجہ نہیں ہے جس کے
ساتھ معانی قرآن میں تدبر نہ ہو۔ مضامین قرآن پر عمل نہ ہو۔

حفاظ قرآن کا عملی نقشہ

نہایت ابن اثیر لغت (قرآن) میں ہے۔

فیه اکثر منافقین امتی قرآن ہا
ای احصاء یحفظون القرآن
فبنا للخصیة عن انفسهم
وہم یعقدون تضلیحہ و
کان المنافقون فی عصر النبی
صلی اللہ علیہ وسلم یحذو
الصفة۔

حدیث میں ہے کہ میری بہت سے
منافقین اکثر حفاظ قرآن ہی ہوں گے مگر
وہ لوگ قرآن حفظ کریں گے تاکہ ان سے
نفاق کی تہمت دور ہو جائے حالانکہ ان کے
دلوں میں اس کے فنا کرنے کی تدبیریں مضمر
ہوں گی۔ اور اکثر منافقین زمانہ رسالت
میں اسی صفت کے تھے۔

شرح اخبار العلوم ص ۴۲۲ میں لکھا ہے

کان المحجاج اقراء القراء
واحفظهم لحروف القرآن
کان یقرأ القرآن فی کل
ثلث وکان اضیع الناس
یجد ودہ۔

مجاج (بن یوسف ثقفی) اپنے زمانہ میں
سب سے بڑے حافظ اور حفاظ قرآن کا سب سے
زیادہ حفظ رکھنے والا تھا ہر تین روز میں
قرآن ختم کیا کرتا تھا لیکن وہی سب سے
زیادہ حدود احکام قرآن کا ضائع کرنے والا تھا

جلد کی لڑائی میں امیر المومنین خلیفۃ المسلمین علی بن ابی طالب کے

مقابلہ میں حفظ قرآن کی جماعت غرہ اہمیت رکھتی تھی۔ تاریخ طبری ج ۵۔ ص ۲۲۱ میں ہے۔

قتل من بنی عدی یومئذ سبعون شیخاً کلہم قد قرأ القرآن
”قبیلہ عدی سے حمل کے دن ستر ضعیف العمر مرد قتل ہوئے جنہیں
سب قرآن حفظ کیے ہوئے تھے۔“

حضرت عائشہ قرأتی تھیں ما ذلت لہرجوا المنصر حتی خفیت
(اصوات بنی عدی)۔

”مجھے برابر فتح و ظفر کی امید قائم رہی جب تک کہ بنی عدی کی آوازیں
میرے کان میں آتی رہیں۔“

جنگ صفین میں وہ لوگ جنہوں نے قرآن تیروں پر بند کیے جانے
کے بعد امیر المومنین کی مخالفت کی اور یہ کہا کہ اگر آپ معاویہ کی خواہش
منظور نہ کریں گے تو ہم آپ کو گرفتار کر کے دشمن کے حوالہ کر دیں گے یا قتل
کر ڈالیں گے اور پھر فیصلہ ثالثی منظور ہو جانے کے بعد وہی امیر المومنین
کے مخالف ہو گئے اور نہروان میں آپ پر سر پکایا۔ جوئے بھی خدا کا قرآن
ہی تھے۔ ملاحظہ ہو طبری ج ۱ ص ۲۱۱

فقال لہم مسعر بن مذکئی (قرآن مجید کے تیروں پر پٹھائے جانے
پہنچی و ذہب بن حصین کے بعد) مسعر بن مذکئی انہی اہل ذہب بن

الطائی نَحْرُ السَّبْسَبِی فِی
 عَصَابَةِ مَعْصَمِ السَّوْءِ
 الذِّیْنَ صَارُوا خَوَارِجَ بَعْدِ
 ذَٰلِكَ یَا عِیَّی اَحِبَّ اِلَیْكَ کِتَابَ
 اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ اِذَا دُعِیْتَ
 اِلَیْهِ وَاَلَا تَقُلْ فَعَلْتَ بِرَمْنِكَ
 اِلَی الْعَوْمِ اَوْ نَفْعَلْ کَمَا فَعَلْنَا
 بَابِیْنَ عَقَانِ

حسین طائی اور ایک بڑی جماعت نے
 حفاظ قرآن میں سے جو بعد میں خوارج
 میں داخل ہو گئے یہ کہا کہ یا علی کتاب خدا
 کے فیصلہ کو منظور کیجیے جس کی خواہش
 کیجی رہی ہے ورنہ ہم آپ کو دشمنوں کے
 حوالہ کر دیں گے۔ یا وہ سلوک
 کریں گے جو اس کے قبل عثمان کے
 ساتھ کر چکے ہیں۔

ان الفاظ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت عثمان کے قتل کرنے میں بھی
 ان محترم حفاظ قرآن کی جماعت کافی ہاتھ تھا اور یہ لوگ ان کے قتل کرنے میں
 پیش پیش تھے۔

دوسرا تبصرہ

حفظ قرآن کا قدیم محاورہ

قرآن مجید کے الفاظ کو زبانی حفظ کرنے والوں کے لیے حافظ
 کی اصطلاح نو زائیدہ ہے۔ عربی کتابوں میں جو زمانہ قدیم یعنی صد و اسلام

اور اس کے بعد صدیوں تک کے زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس لفظ کا اپنے موجودہ معنی کے ساتھ پتہ نہیں ہے۔

”حافظ“ کی لفظ علم حدیث کی اصطلاح تھی جس سے ایک مخصوص کثیر تعداد میں احادیث حفظ کرنے والے اشخاص مراد ہوا کرتے تھے۔ اور اس لیے عل و محدثین کے نام کے ساتھ جہاں ”حافظ“ کا لفظ آئے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ قرآن کے حافظ تھے۔ بے شک حفظ قرآن کے لیے قدیم زمانہ کی کتابوں اور روایتوں میں دو نقلیں ملتی ہیں ایک جمع قرآن اور دوسرے قراوت جن کا تذکرہ مختلف روایتوں میں موجود ہے۔

۱۔ مقدمہ کی روایت

سألت انس بن مالك من	میں نے انس بن مالک سے سوال
جمع القرآن على عهد	کیا کہ، ساتھ کتاب کے زمانہ میں کن
رسول الله صلى الله عليه	لوگوں نے قرآن حفظ کیا تھا انھوں
وسلم فقال اربعة كلهم	نے کہا، چار آدمیوں نے جو انصار
من ابي بن كعب	میں سے تھے ابی بن کعب اور معاویہ
ومعاذ بن جبل وزید بن	بن جیل اور زید بن ثابت اور
ثابت بن ابي زيد	ثابت بن ابوزید۔

۲۲) نامہ کی روایت

عن انس قال مات النبي
صلى الله عليه وسلم ولم
يجمع القرآن غير ابي جعفر
ابو الدرداء ومعاذ بن جبل
وزيد بن ثابت وابو زيد.
انس نے کہا کہ رسالتِ نبیؐ نے انتقال
فرمایا اور اس وقت تک نہیں حفظ کیا
تھا قرآن کو سوائے چار آدمیوں کے
ابو الدرداء اور معاذ بن جبل۔ اور
زید بن ثابت اور ابو زید۔

ان دونوں روایتوں کو بخاری نے (باب القرآن من اصحاب النبی
صلی اللہ علیہ وسلم) میں درج کیا ہے۔ اور حافظ سیوطی نے اتقان میں
(التوعم العشرین فی معرفة حفاظہ وروایۃ) میں نقل کیا ہے
جس سے صاف ظاہر ہے کہ جمع قرأت دونوں کے ایک معنی ہیں۔ یعنی
حفظ قرآن۔

ان روایتوں کے ذیل میں حافظ سیوطی تحریر کرتے ہیں۔

قد تمسك بقول انس هذا جماعة من الملاحدة
ولا تمسك لهم فيه فاننا لا نسلم حكمه على ظاهره سلمناه
ولكن من اين لهم ان الواقع في نفس الامر كذلك سلمناه
لكن لا يلزم من كون كل من الحتم الخفي لم يحفظه كله ان لا يكون

روایت بخاری مطبوعہ گزٹ پریس دہلی نصف دوم نمبر ۴۴ (۱۲) مطبوعہ دہلی ص ۱۱۱

حفظہ و لیس من شرط التواتر ان یحفظ کل فرد جمیعہ بل اذا
 حفظ کل الکل ولو علی التوزیع کفی وقال القرطبی قد قتل
 يوم الیامة سبعون من القراء و قتل فی عهد النبی صلی اللہ
 علیہ وسلم یوم عوثة مثل هذا العدد و انما حصّ النس
 الاربعہ بالذکر لشدّة تعلّقہ بحدودہ و غیرہما اولکو کھجہ کاؤا
 فی ذہدہ دون علیہم۔

”انس کی روایت کے ساتھ بہت سے محدوں نے استدال کیا ہے
 (یعنی یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن متواتر نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کے حفظ
 کرنے والے شریع میں اتنی مختصر تعداد رکھتے تھے) لیکن ان کا استدلال
 غلط ہے اس لیے کہ اول تو انس کی روایت کے پر معنی جو اس سے ظاہر
 ہوتے ہیں تسلیم نہیں۔ اگر معنی ”اس کے ہی تسلیم بھی کیے جائیں تو یہ تسلیم نہیں کہ
 ہوا وقت بھی یہی صورت تھی اور یہ کہ ان کا بیان صحیح ہے۔ اگر اسے بھی تسلیم کریں
 جائے تو اس کثیر جماعت صحابہ کے تمام قرآن کے حافظ نہ ہونے سے یہ ضروری
 نہیں ہے کہ وہ بالکل قرآن کے حافظ تھے ہی نہیں۔ اور تو اس کے لیے ضروری
 نہیں کہ ہر فرد تمام قرآن کی حافظ ہو بلکہ اگر وہ سب ملکر تمام قرآن کے حافظ
 ہوں۔ اجزاء کی تقسیم کے طور سے تب بھی کافی ہے بشرطیکہ اسے کہ ہمارے
 کے دن ستر آدمی قتل ہوئے تھے جو سب قرآن قرآن تھے اور ان ہی تعداد میں

قرآن زمانہ رسالت میں بھی پیر معجزہ میں شہید ہوئے تھے۔ اس نے چار
آدمیوں کا ذکر اس لیے کیا کہ ان کو انہی لوگوں کے ساتھ خصوصیت حاصل
تھی۔ یا اس لیے کہ اُس وقت اُن کے ذہن میں جو چیز نام تھے اور پس
اس عبارت سے بھی صاف ظاہر ہے کہ جمع قرآن اور قرأت دونوں
کے معنی حفظ قرآن کے ہیں۔

(۳) انسائی نے مسند صحیح عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے۔

بَقِيَ جَمْعُ الْقُرْآنِ فَقُرْآنُ
بِكُلِّ هَيْلَةٍ فَلْيَعْلَمِ الْبَنِيُّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ احْتِزَامُ
فِي شُحْرِ الْحَدِيثِ وَأَتَانِ مَطْوًى
بخاری کی یہ روایت کہ

عن عبد الله بن عمرو بن
العاقر قال سمعت النبي صلى الله
عليه وسلم يقول خذوا
القرآن من (شريعة من عبد الله
بن مسعود وسالم ومعاذ بن عبد الله بن كعب

رسالت میں نے فرمایا کہ تم آں کی
تعلیم حاصل کرو چار آدمیوں میں
ابن مسعود، اور سالم، اور معاذ
اس کو نقل کرنے کے بعد حافظ سیوطی نے لکھا ہے۔ (نظا ص ۱۸۷)

امریا لاخذ عنہم فی الوقت الذی صدر فیہ ذلک القول فلا
یلتزم من ذلک ان لا یکون احدا فی ذلک الوقت مشارکاً فی
حفظ القرآن بل کان الذین یحفظون مثل الذی حفظوا و انہما
جماعۃ من الصحابة فی اصحیح فی غزوة بدر معونۃ ان الذین قتلوا
عما من الصحابة کان یتقال لحد القرآن و کانوا سبعین رجلاً۔

• بظہر اس وقت بھی چار آدمی موجود ہوں گے جن سے تعلیم حاصل
کرنے کا حکم ہوا لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کوئی اور شخص اس وقت میں
حافظ قرآن تھا ہی نہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو ان کا متا بلکہ ان سے
زیادہ قرآن حفظ کیے ہوئے ہوں، وہ صحابہ میں بہت سے لوگ تھے اور صحیح
ہایت میں ہر معونہ کے متعلق ہے کہ جو لوگ وہاں قتل ہوئے تھے وہ صحابہ
میں سے قرآن کے نام سے موسوم تھے، اور وہ مشر شخاص تھے، (انفاق ص ۱۰۰)
اس روایت کے درج کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کے
معنی حفاظ قرآن کے ہیں۔

ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ

عیوب بن عدی الخطمی (امام) • عیوب بن عدی خطمی بنی خثعم کے پیشوا
ہی خطمہ و قارحہ (امام) • اور خطمہ بنی خثعم کے بنی خثعم نے
ابن القباہ حفظ طائفہ • کہا ہے کہ انہوں نے کچھ حصہ قرآن

من القلن صفتی بالفارسی و
کان یوم منی خطبہ
صد کر لیا تھا۔ اس سے فارسی کہے
جانے لگے تھے اور بنی خطبہ کے یہاں نماز
پر چھاتے تھے۔ (اصحاب بر حاشیہ اصحاب ج ۲ ص ۲۹۱ مطبوعہ مصر)

اصحاب (ج ۳ ص ۲۲۸) میں ہے
معاذ بن الحرث بن الازرقم
الحضر بنی یمنی اب حلیمتہ
کان یقال لہ الفارسی حوالہ
امام محمد بن یحییٰ التواتر فی شجر
اصحاب (ج ۳ ص ۲۲۸) میں ہے کہ
معاذ بن حرث بن الازرقم
بنی یمنی اب حلیمتہ
اور رمضان کے زمانہ میں تواتر کا
امام مقرر کیا تھا۔
سر رمضان۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حافظ قرآن تھے اس بنا پر فارسی کہے جاتے تھے۔
اصحاب (ج ۳ ص ۲۲۸) میں ہے کہ

(وسر حاشیہ الفارسی عن ابی موسیٰ)
لا شعری انہ قال لا یدبح
للمسلمین الا من یتلأ ام الکتاب
فلم یقل الا بحمد النصاب
کان یدبح وحده ..
ذبح کرتے تھے۔
ابو موسیٰ اشعری کی روایت ہے کہ آپ نے
فرمایا کوئی شخص مسلمانوں میں جانو ذبح
ذکرے جب تک سورہ حمد حفظ نہ کر لے۔
سوائے حضرت نصاب کسی نے حفظ نہ کیا۔
اس لیے ہم ہی مسلمانوں کے یہاں جانو

ابن اثیر خری نے، سد الغابہ ج ۱ ص ۲۶۷ میں لکھا ہے

عن الشعبي قال جمع القرآن
على عهد رسول الله صلى الله
عليه وسلم سنة من .

ابو زيد - معاوية بن جبل - ابو العباس

سعد بن عبادہ - یحییٰ بن کعب - ابو

خالد بن عبادہ - یحییٰ بن کعب

وکان جارية بن مجسم بن جارية

قد قرأ الا سورة (وسورين)

كذا قال الطبراني وسواه (سخت)

بن يوسف عن ذكرى بن وهب قال

المجسم بن جارية وكذا قال

سمييل بن ابي خالد عن الشعبي

وهو الصحيح وكان جارية بن

عامر والدة المجسم عن اخذ

مسجد الضراب كان المجسم يعني

لم يبق فيه وهذا أقوى قول من

جمع کے والد تھے انھوں نے مسجد

ضراب کی بنیاد قائم کی تھی اور مجمع انھوں

نماز پڑھا کرتا تھا اور احمد سے بھی

شعبی کی روایت ہے کہ قرآن کریم جمع کیا

ساتھ کتاب کے زمانہ میں جو آدمیوں

نے انھار میں سے زید بن ثابت -

نقول ان المجمع كان الحافظ . اس فوس کی تقویت ہوتی ہے کہ حفظ القرآن . کرنے والے مجمع ہی تھے۔

اس عبارت کے بھی مصدر و ذیل اور وسط سے جمع قراوت اور حفظ کا مستحق المعنی ہونا ظہور ہوتا ہے۔ نہایت ابن اثیر لغت رقا ہیں ہے۔

قد تكرر في الحديث ذكر . حدیث میں کرر جگہ قراۃ اور اقراۃ القراءۃ والاقتراء والقاری

والقرآن والاصل في . اصل معنی اس لفظ کے جمع کے ہیں۔ اور جس سے کو تم جمع کروائیں کے مشتق

منه جمعته فقد قرأته و . کما جائے گا قراۃ۔ اور قرآن کا نام قرآن اسی لیے ہوا کہ اس میں امر الیہ

والامر والنهي والوعد والعید . وعدہ اور وعید آیات اور سورہیں حبیب سے مندرج ہیں۔ حدیث میں یہ بھی

الی بعض . ونبہ اکثر . ہے کہ اکثر میری است کے شائقین قراہوں گے یعنی وہ لوگ حفظ قرآن

یخفظون القرآن نفيا للفتنة . کریں گے اپنے نفس سے تحت ہانے کیلئے حالانکہ ان کے دلوں میں قرآن کو تباہ

تصنیعہ . کر دینے کا خیال معجز ہوگا۔

اس سے بھی، قرأت در جمع کا معنی غلط قرآن ہونا ثابت ہے۔

کتاب سائل لشبہ مصنفہ شیخ حر عاملی (مطبوعہ مہران ج ۳ ص ۳۴) میں ہے۔

عن انس قال قال رسول الله

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

من قرأ مائة آية لم يكتب

من الغافلين ومن قرأ

مائة آية كتب من القانتين

ومن قرأ ثلثمائة آية لم يخالج

القرآن یعنی من خففہ نہ

ذالك من القرآن يقال قرأ

الغلام القرآن اذا حفظه

مجلد المرشد العربي لا ذوقہ (شام) ج ۲ ص ۲۴ میں ہے۔

عظم شأن القرآن في اول

الاسلام لقلّة الذين يقرؤون

القرآن بوصفهم فصحاء الذين

يحق لهم القرآن قراءاً متيناً

بعد من غيرهم ولا يضرهم

قرآن کریم کی عزت حاصل ہوئی اور اہل

اسلام میں اس لیے کہ بہت کم لوگ

اُس زمانہ میں قرآن کے مانتے ہوتے

تھے تو جو لوگ قرآن حفظ کرتے تھے انہیں

قرآن کا جانا تھا ان کے امتیاز کیلئے

امیتین۔
ان کے غیر سے کیونکہ دوسرے لوگ اکثر
اتنی ہر کرتے تھے۔

جرجی زیدان نے تاریخ آداب اللغة العربیہ ج ۱۲ میں بھی لکھا ہے۔
قرآن القرآن ہی اقدم العلوم
الشرعیۃ الاسلامیۃ و
كان للقراءة شان فی صدر
الاسلام لقلۃ الذین
یقراءون یومئذ ضمتوا
الذین كانوا یحفظون القرآن
”قراء“ متمیزا لحدیث عن
سائر المسلمین لا یضم کا خوا
امیتین۔

قرآن قرآن تمام سلامی مذہبی علوم میں
قدیم ترین فن ہے اور قرآن کو مسدود اسلام
میں بڑی اہمیت حاصل تھی اس لیے
کہ بہت کم لوگ تھے جو قرأت کرتے
تھے۔ لہذا وہ ان اشخاص کو جو حفظ
قرآن کرتے تھے ”قراء“ کہنے لگے
امیتان کے لیے ان کے دوسرے
مسلمانوں سے جو زیادہ تراقی ہوا
کرتے تھے۔

مذکورہ بالا تصریحات سے صاف ظاہر ہو گیا کہ قدیم زمانہ کی اصطلاح
میں حافظ قرآن کو ”قاری“ کی لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور قرآن القرآن
کے معنی محفوظ القرآن ”مکے ہیں۔

قرأت علم تجوید کے معنی میں جس کے اعتبار سے ان اشخاص کو
جو خارج حروف سے واقف ہیں قاری کہا جاتا ہے۔ جدید اصطلاح

ہے جسکو عربی کے قدیم محاورہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

تیسرا تبصرہ

حفظ قرآن کے بارے میں صحابہ کرام کی بے توجہی

ہم جس وقت صدر اسلام پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کی کثیر جماعت حفظ قرآن سے عاری تھی اور وہ الفاظ قرآن کو ازبر حفظ نہ رکھتی تھی۔

جس کا قوی ثبوت خصوصاً تصریحات کے یہ ہے کہ زمانہ رسالت میں قرآن مکمل و مرتب صورت سے یکجا ہی نہیں ہوا تھا بلکہ وہ بعد کو مرتب و مدون ہوا۔

بیرسوخہ میں شہید ہونے والی ستر آدمیوں کی جماعت یا یامہ کے دن قتل ہونے والے ستر اشخاص جن کے متعلق سابقہ عبارتوں میں مدح ہوا ہے کہ وہ قراء قرآن تھے ان کے متعلق کسی طرح نہیں کہا جاسکتا کہ وہ پورے قرآن کے حافظ تھے بلکہ صورت حال کی بنا پر کہ قرآن تدیکی حیثیت سے نازل ہوتا تھا اور رسالت میں منتشر اجزاء میں اس کو لکھواتے جاتے تھے۔ ہوتا یہ تھا کہ جو شخص صحابہ میں سے حاضر الوقت

ہوا اس نے جو کچھ حصہ قرآن کا اس کے سامنے نازل ہوا اس کو یاد کر لیا
اس طرح مختلف صحابہ کے سینوں میں کثیر التعداد اجزاء قرآن کے متفرق
طور پر محفوظ تھے اور انہیں صرف اتنے ہی حفظ کر لینے پر قاری کے نام
سے نامزد کر دیا جاتا تھا جس کا ثبوت استیعاب کی عبادت سے جو سابقہ
تبعہ میں گزری تھی ملاحظہ فرمائیے جو چکا جس میں عمر بن عبدی کے متعلق
لکھا ہے کہ حفظ طائفة من القرآن فستی بالقاری۔

”ایک حصہ قرآن کا حفظ کر لیا“ اس سے اُن کا نام قاری ہو گیا۔
یہ بالکل ظاہر ہے کہ رسالتِ نبیؐ نے کوئی مدرسہ حفظ قرآن قائم نہیں
کیا تھا اور نہ مدون صورت سے کوئی کتاب ہی موجود تھی جو صحابہ کو دیکھائی
کہ وہ یاد کریں۔

علامہ مصطفیٰ صادق رافعی نے اعجاز القرآن (مطبوعہ مصر ۱۳۳۸) میں لکھا ہے
ان الواحد مضمنا ذا حقة سورة اذ کتبتا ثم خرج فی ستر
فزلت سورة اخری فانه کان اذ جمعیا أخذ فی حفظ ما تبدل
بعد رجوعه وکتبہ ویتبع ما فاته علی حسب ما استحل لہ
اکثره اذ قلہ من ثم یقع فیما یکتبہ تاخیر المقدم و تقدیم المؤخر
”صحابہ میں سے کوئی شخص جو کوئی سورہ حفظ کرنا چاہتا تھا اس کے
بعد اس کو کسی غزوہ یا جنگ میں چلا جاتا تھا تو کوئی اور سورہ اس کی

عدم موجودگی میں نازل ہوتا تھا جب وہ دیکھتا تھا تو وہ تو ان سورتوں کے
حفظ یا کتب میں مستغیر ہو جاتا جو اس کے بعد نازل ہوتے تھے اور
وہ مقدار جو اس کی عدم موجودگی میں نازل ہوئی تھی اس کو موقع و محل سے مستغیر
کر کے جتنا اس کو ممکن ہو سکتا تھا اتنا حفظ کرتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ
ان کے مکتوبات میں مقدم کا مؤخر اور مؤخر کا مقدم ہو جاتا تھا اور ترتیب محفوظ
نہ تھی۔

اس صورت حال کے بعد سمجھنا کہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ صحابہ کثیر التعداد
جماعت ایسی تھی جو تمام قرآن کی حفظ ہو۔

ان روایات سے بھی کہ جن میں صرف پانچ یا سات آدمیوں کا صحابہ میں سے
حافظ قرآن ہونا مذکور ہے، اس امر کا ثبوت صاف ظور سے پایا جاتا ہے۔

ان میں سے اکثر روایات سابقہ منصرہ میں ہدیہ ناظرین کے لیے جا چکے ہیں،
جیسے بخاری کی روایت قتادہ سے کہ میں نے انس بن مالک سے پوچھا کہ تم

کے زمانہ میں کن لوگوں نے حفظ قرآن کیا تھا۔ انھوں نے کہا چار آدمیوں
نے جو انصار میں سے تھے۔ ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت، ابو زید

دوسری روایت انس کی کہ رسالت اکبر کا جب انتقال ہوا ہے کسی شخص
نے حفظ قرآن نہیں کیا تھا سوئے چار آدمیوں کے ابو الدرداء اور معاذ بن جبل

اور زید بن ثابت اور ابو زید

(۳) ابن ابی داؤد کی روایت محمد بن کعب قرظی سے کہ قرآن کو حفظ کیا تھا رسالت کے زمانہ میں پانچ آدمیوں نے انصار میں سے۔ معاذ بن جبل، عبادہ بن صامت، ابی بن کعب، ابوالدرداء، ابویوب انصاری۔

(۴) بیہقی کی روایت بن سیرین سے کہ قرآن کو رسالت کے زمانہ میں چار آدمیوں نے حفظ کیا تھا جن میں اختلاف نہیں ہے میں ذہب، جبل اور ابی بن کعب اور زید اور ابو زید اور وادیوں میں اختلاف ہے، ابوالدرداء اور عثمان اور بعض نے کہا ہے عثمان اور تیم دارمی۔

(۵) شعبی کی روایت ہے کہ قرآن کو رسالت کے زمانہ میں چھ آدمیوں نے حفظ کیا تھا ابی اور زید اور معاذ اور ابوالدرداء اور سعد بن عبید اور ابو زید اور مجمع بن جابر۔ نئے دو تین یا چار سوروں کے علاوہ پورا قرآن حفظ کر لیا تھا۔

مذکورہ بالا تمام روایات کو حافظ سیوطی نے اتفاق میں درج کیا ہے۔ شعبی کی روایت اصحاب حافظ ابن حجر (۱۲) اور اسد الغابہ میں بھی موجود ہے۔ استیعاب میں ہے کہ قبیلہ خزرج کے لوگوں نے کہا ہم میں سے چار آدمی ہیں جنہوں نے رسالت کے زمانہ میں قرآن حفظ کیا اور ان کے سوا کسی کو یہ شرف حاصل نہ تھا۔ زید بن ثابت اور ابو زید اور معاذ بن جبل اور ابی بن کعب

ابو عمر نے کہا اس کے معنی یہ ہیں کہ خرید کے فرقہ میں سے کسی نے ان چار آدمیوں کے سوا پورا قرآن حفظ نہ کیا تھا۔ لیکن انصار کے علاوہ دوسرے گروہ (مہاجرین) میں سے بعض نے قرآن حفظ کیا تھا جیسے عبد بن مسعود اور سالم المہولہابی حذیفہ اور عبد اللہ بن عمرو بن العاص۔ سیوطی نے مذکورہ بالا اشخاص کے علاوہ بڑی کد و کاوش سے بعض صحابہ کے نام درج کر دیے ہیں جو حافظ قرآن تھے ان میں سے بعض کا ذکر عبد نے کتاب القراءۃ میں کیا ہے۔

مہاجرین میں سے خلفائے اربعہ (دوسرے مستند روایات در قرآن کی بنا پر جو آئندہ آئیں گے یہ ثابت ہو گا کہ حضرت شیخین حافظ تھے) طلحہ سعد و قاص۔ ابن مسعود۔ حذیفہ۔ سالم۔ ابو ہریرہ۔ عبد اللہ بن مساب۔ عائشہ حفصہ۔ ام سلمہ۔ انصار میں سے عبادہ بن صامت۔ معاذ۔ فضالہ بن عبید مسلمہ بن مغلہ۔ لیکن بعض کے متعلق تصریح کی ہے کہ انھوں نے تکمیل حفظ قرآن کی رسالت کے بعد کی ہے۔ ابن ابی داؤد نے ان میں سے تہیم داری اور عقبہ بن عامر کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

ابو احمد عسکری نے لکھا ہے کہ قتیبہ اوس میں سے سعد بن عبید نے حفظ قرآن کیا تھا۔ ابن ابی داؤد نے حفظ قرآن میں قیس بن ابی صغیر خرید کا نام

ابھی لکھا ہے لیکن ان کی کثرت بوزیر ہے خاص لیے ممکن ہے کہ یہ وہی ہوں۔
 مذکورہ سابق روایت چکا ہے بعض روایات میں ان کا نام تیسرے یا چوتھے
 عبداللہ بن عمر کے متعلق بھی ایک روایت ہے جس کا ذکر سابق میں ہو چکا۔
 سعد بن منذر بن اوس بن زہیر کا بھی نام یاد کیا ہے۔ ابن سعد نے
 طبقات میں ایک خاتون کا بھی صحابیات میں سے ذکر کیا ہے جنہوں نے قرآن
 حفظ کیا تھا۔ ان کا نام ام ورقہ بنت عبداللہ بن حارث ہے (۱)

حافظ عسقلانی کی روایت ہے کہ شہاب قرشی کو رسالت نبی نے پورا
 قرآن حفظ کرایا تھا اور جس نے لوگ انہی سے قرآن کی تعلیم حاصل کرتے تھے (۲)
 ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ عیسیٰ بن نعمان سکونی کو نبی نے قرآن کو زمانہ
 رسالت میں حفظ کیا تھا اور حضرت عمر کے عہد میں اسکی تکمیل کی (۳)

اصحاب میں ہے کہ انہوں نے زمانہ حضرت عمر میں قرآن حفظ کیا تھا (۴)
 قرطبی کے متعلق لکھا ہے کہ یہ بڑے بڑے حافظوں میں سے تھے (۵)
 یہ لوگ وہ ہیں جن کو پڑھی بیچو سے روایات کی صحت و عدم صحت کی تفریق
 کے بغیر صحابہ کرام کے حفاظ کی فہرست میں درج کیا جاسکتا ہے۔ لیکن جب ہم
 صحابہ کرام کی مجموعی فہرست سے ان محدودے حید اذکار کی نسبت دیکھتے ہیں تو

(۱) اتقان مسئلہ ۱۰۴-۱۲۱ اختاب ج ۲ ص ۱۵۹ و (۳) استیعاب رجالہ اصحاب ج ۲ ص ۲۹

(۲) ج ۳ ص ۲۹ (۴) اصحاب ج ۳ ص ۲۹

ان کی تعداد نظر سے بہت کم معلوم ہونے لگتی ہے۔
اسد الفایہ میں ہے :-

(۱۷۱) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ما شرطہ کثیرہ
فان رسول اللہ یتخذ حنیئاً ومعہ اثنا عشر الفاسوسے
الاتباع والنساء وجاء الیہ ہوازن مسلمین فاستنقذوا
حریمہم واولادہم وبناتہم مملوۃ تامسا وکذا لک الملک بنی قحط
ایضا وکل من احب زبہ من قبائل العرب کافوا مسلمین فھو لاء
لکھم صحتہ وقد شھد معہ بنون من الخلق الکثیر وما لاء
بجھہم دیوان وکذا لک حجتہ الوداع وکھم صحتہ۔

”رسالت الہیہ کے اصحاب ان شرائط کے ساتھ جو صحابیت کے لیے قرار
دی گئی ہیں بہت ہیں۔ اس لیے کہ جب رسالت الہیہ جنگ خنین میں تشریف
لے گئے ہیں تو آپ کے ساتھ بارہ ہزار سپاہی تھے۔ ان کے علاوہ وہ لوگ تھے
جو بطور خدام وغیرہ کے دوسروں کے ساتھ چلے آئے تھے۔ یا عورتیں تھیں
کہ جو ساتھ تھیں نیز قبیلہ ہوازن کے لوگ سب مسلمان ہو کر آئے تھے اور بنی
اولاد بنی عدوتوں کو قید سے چھڑا کر لے گئے تھے پھر کہ کو آپ نے چھوڑا تھا اور
وہ مسلمانوں سے ملو تو اور اسی طرح مدینہ اس کے علاوہ بنی قحط پر راستہ

میں آپ کا عبور ہوا تھا وہ سب سامان تھے۔ یہ تو م لوگ صحابہ میں مندرج ہیں اور جنگ بنوک میں آپ کے ساتھ اتنی جمعیت تھی جو کسی دفتر میں درج نہیں ہو سکتی تھی، اور اسی طور سے حجۃ الوداع میں۔ یہ تمام لوگ وہ ہیں جن کو صحبت کا شرف حاصل تھا۔

ان میں سے وہ لوگ جن کے اسماء کتب رجال اور اسماء الصحابہ میں مندرج ہو سکے ہیں۔ اور استیعاب۔ اسماء الغائبہ۔ اصحاب میں مذکور ہیں۔ وہ بھی شہریوں کی تعداد تک ہیں۔

اس عظیم مرقع شامی میں اگر دس بیس حفاظ قرآن کے اسماء بڑی جستجو سے دستیاب ہو سکے تو اس سے یہ کسی طرح نہیں کہا جاسکتا کہ صحابہ کو حفظ قرآن کی طرف کوئی خاص توجہ تھی۔

حالانکہ اس زمانہ میں کتابت و تخریر کے عام طور سے رائج نہ ہونے کی بنا پر حفظ قرآن کو خاص طور سے اہمیت حاصل تھی شعراء کے لئے یاد اور بڑے مجتہد مقررین کے خطبہ سی حفظ کے ذریعہ سے محفوظ ہونے تھے۔ اسی لیے عبد اللہ بن مسعود نے اپنے رسالہ "تخریف قرآن کی حقیقت" میں لکھا ہے کہ اس کتاب کی جانب سے قرآن مجید کی زیادہ سے زیادہ مقدار حفظ کرنے کی ہدایت ہوتی تھی۔ اطراف و جوانب میں قرآن کی تعلیم اپنے لوگ روانہ کیے جاتے تھے اور قرآن کا

زیادہ مقدار میں غم رکھنے والے کے یہ مخصوص اقیانوسات مقرر تھے؟

لیکن اس سب کا نتیجہ نہ تھا کہ قرآن کو مختلف مقامات سے متفرق حیثیت سے اتنے کثیر استعداد و حکم پر یاد کر سیں جن کی مجموعی حیثیت سے توازی کی کیفیت پیدا ہو جائے لیکن تمام قرآن کے یاد کرنے والے اور دوسرے حافظ، آٹھ دس سے زیادہ نہ ہوئے تھے۔

قرآن جمع کرنے کے روایات جن کا تفصیل مذکور ہم نے تخریف قرآن کی حقیقت میں کیا ہے، اس حقیقت کو بالکل بے نقاب کرتے ہیں۔

صحیح بخاری نصف دوم ص ۴۴ (مطبوعہ گردن گزشتہ پریس دہلی)۔
 ”باب جمع القرآن“ میں زید بن ثابت کی روایت ہے کہ یاسر کی جنگ کے بعد جس میں بہت سارے شہید ہوئے تھے حضرت ابو بکر نے میرے پاس آدمی بھیجا کہ میں ان کے پاس حاضر ہوں۔ میں گیا تو وہاں حضرت عمر موجود تھے۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا کہ یہ کس پر ہے پاس آئے اور انھوں نے مجھ سے کہا کہ یاسر کے دن حفاظ قرآن بہت سے قتل ہو گئے ہیں اور مجھے خوف ہے کہ یہی حفاظ مختلف ٹرائیوں میں قتل ہوتے رہے تو بہت حصہ قرآن کا تلف ہو جائے گا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ لوگ جو قرآن کھلاتے تھے متفرق مقامات سے مختلف اجزائے قرآن کے حافظ ہوتے تھے۔ اگر یہ لوگ تمام قرآن کے حافظ ہوا کرتے تو حضرت عمر کو یہ اندیشہ پیدا نہ ہوتا کہ بہت حصہ قرآن کا تلف

ہو جائے گا، بلکہ اس صورت میں یہ توبہ اندیشہ پیدا ہوتا کہ قرآن ماسک لفت
 ہو جائے گا اس لیے کہ اس کے تمام حفاظ قتل ہو جائیں گے، اور یہ کچھ اندیشہ
 ہی نہ ہوتا کیونکہ جب تک ایک بھی باقی رہتا مجموعہ قرآن موجود رہتا، میری
 رائے یہ ہے کہ آپ قرآن کو گمیا کیے جانے کا حکم دیکھتے ہیں، ت عمر سے کہا کہ تم
 کیونکر ایسی بات کرو گے جو رسالتناہی نے نہیں کی، مگر انھوں نے کہا کہ
 نہیں یہ تو اچھی بات ہے، اس کے بعد یہ برابر سمجھتے ہیں اس معاملہ میں تب وہ
 خیال کرتے رہے، یہاں تک کہ خدا نے میرے دل میں بھی کشت کش پیدا کی
 اور میں ان کا خیال ہو گیا، تم جو ان نو عمر اور کھجور اور ہائے بھروسے کے
 آدمی ہو اور تم رسالتناہی کے سامنے کاتب وحی بھی رہ چکے ہو۔ لہذا اس کام
 کے قابل ہو، تم متعجب و متحیر نہ ہو اور قرآن کو جمع کرو۔

زید کا بیان ہے کہ اگر مجھ کو کسی بہادر کے سر کاٹنے کا حکم دیا جاتا تو وہ میرے
 اور ساتھیوں کے لیے معلوم ہوتا، جتنا یہ جمع قرآن کا حکم میں نے کہا، لوگ ایسی بات
 کیونکر کرو گے جو رسالتناہی نے نہیں کی، حضرت ابو بکر نے فرمایا: نہیں اس میں
 کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ تو خدا کی قسم اچھی بات ہے۔ اس طرح برابر حضرت
 ابو بکر مجھ کو سمجھاتے رہے۔ یہاں تک کہ میں بھی ان کا خیال ہو گیا۔

فَتَبَقَّتْ الْقُرْآنُ أَجْمَعَهُ مِنَ الْعَصَبِ وَالْخُفَّاءِ وَصَدَّو
 الرِّجَالُ حَتَّى وَجَّهَتْ آخِرُ سُورَةِ التَّوْبَةِ مَعَ أَبِي خَنِزِمَةَ

الا انصاری لما جدد مع احد غیر افد جاء کمر رسول
 من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم حتی خانتم براءة۔
 میں نے قرآن کو دھوڑنا شروع کیا اور درجہ کی تھیلوں بچھر کے
 ٹکڑوں اور لوگوں کے محفوظات سے اُس کو جمع کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ
 سورہ توبہ کا آخری حصہ مجھ کو ابو خزیمہ انصاری کے پاس ملا۔ اور کسی دوسرے
 کے پاس دستیاب نہیں ہوا اور وہ یہ ہے کہ نقد جاء کمر رسول من
 انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم آخر برارت تک۔

اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے کوئی شبہ نہیں رہتا کہ پوسے قرآن
 کے حافظ صحابہ میں موجود نہ تھے یا بہت کم تھے ورنہ اس طرح متفرق مقامات
 سے جمع کرنے کی زحمت گوارا نہ کرنا پڑتی۔ اور مذکورہ آیت کے لیے جستجو کے بعد
 صرف ایک شخص دستیاب نہ ہوا جس کے سوا کسی کے پاس وہ آیت موجود نہ تھی
 زید بن ثابت کی دوسری روایت ہے کہ جب ہم صحف کی کتابت کرنے
 لگے تو ایک آیت یاد آئی جو میں نے رسالت میں کو پڑھنے سے نہ تھی، اور اس صحف
 میں وہ لکھی نہ گئی تھی۔ ہم نے اُس کو دھوڑنا شروع کیا تو وہ خزیمہ بن ثابت
 انصاری کے پاس دستیاب ہوئی۔ عن الموصنین رجال صدقوا ما
 عاهدوا اللہ علیہ۔ ہم نے اُس کو صحف میں جو اس کا سورہ تھا وہاں
 ملحق کر دیا۔

جو روایت اس سلسلہ میں بڑے شد و مد سے نقل کی جاتی ہے وہ کسی طرح
اس کے ثبوت کیلئے کافی نہیں ہے۔

ماخذ ہواش سیوطی کی کتاب را نقاں فی علوم القرآن)۔

الذی یطہر من کثیر مومن . وہ جو اکثر احادیث سے ظاہر ہوتا ہے یہ ہے

الاحادیث ابابیکو کان . کہ ابو بکر رسالت کے زمانہ میں قرآن

یحفظ القرآن فی حیوة رسول اللہ . حفظ کرتے تھے چنانچہ صحیح میں ہے کہ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم فنی . ایک مسجد بنوائی تھی اپنے گھر کے

الصحیحۃ الذی مسجد البقاء . صحن میں، اس میں آپ قرآن حفظ

ماسرہ فکان یرأۃ القرآن . کیا کرتے تھے۔

تدعی ابو بکر اتھنی نے کہ ہے جو محمول علی ما کان بتدل صنیعہ

(ذوال)

س کے معنی یہ ہیں کہ جبناختہ قرآن اس زمانہ میں نازل ہوا تھا اس کو

آپ حفظ کرتے تھے۔

اس روایت سے کسی طرح نتیجہ نہیں نکالنا کہ آپ قرآن مجید کے حافظ

تھے۔ اس سے کہ یہ ایک مخصوص زمانہ کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ

آپ اس زمانہ میں جبناختہ قرآن نازل ہوتا تھا اس کو مسجد میں بیٹھ کر حفظ کیا کرتے

تھے لیکن اس سچی میں آپ کو کس حد تک کامیابی ہوئی؟ آپ کا یہ تیز عملی خرم
 تک قائم رہا، اس مسجد کی تعمیر کے قبل جتنا حصہ کہ منظر میں یا خود سنیے میں
 آنے کے بعد نازل ہو چکا تھا اس کو بھی آپ نے حفظ کیا یا نہیں؟
 یہ وہ سوالات ہیں جن کا کوئی جواب اس روایت سے نہیں نکلا جاسکتا ہے۔
 اس کے ساتھ خود ائقانؒ میں یہ روایت نظر سے گزرتی ہے کہ

ابن اشعث نے کہا ابواصحاب منہ صحیح	(مخرج ابن اشعث فی المصاحف)
محمد بن بکر بن عبد الوہاب سے روایت کی ہے کہ حضرت	سیدنا محمد بن عیسیٰ بن عیسیٰ
ابو بکر کا انتقال ہو گیا اور آپؐ نے قرآن حفظ	قال مات ابو بکر ولم یجمع
نہ کیا تھا اور اسی طرح حضرت عمرؓ مرتے ہوئے	القرآن وفتی عمر لم یجمع القرآن

اور قرآن حفظ کیا تھا۔

اس سے حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے اور کوئی شبہا نہیں رہتا۔
 حضرت عمرؓ کے متعلق وہ بھی ایسے روایات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ
 حافظ قرآن نہ تھے حضرت ابو بکرؓ کے متعلق بھی ایکن ایسی ہی روایت ہے اور
 اس سے خلف قرآن کے متعلق آپ کا نظریہ بھی صاف ظاہر ہوتا ہے چنانچہ آپ
 فرماتے ہیں۔ لان اعرب آیت فی القرآن احب الی من ان احفظ
 (آیت وہ کلمہ قرآن کی ایک آیت کی تفسیر معلوم ہو جائے تو یہ زیادہ محبوب ہے

اس سے کہ میں ایک آیت کو حفظ کروں ۱۱

سوی طرح دیگر عشرہ عشرہ و دیگر صحابہ وہ اس جو ہر سے عاری تھے
بلکہ دل بہ ایت اور رطب یہاں جمع کر دینے والے محدثین نے تو ایسے احادیث
تک درس کر دینے میں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کتاب بھی پورے طور سے
حافظ قرآن نہ تھے، اور بہت سی آیتیں آپ بھوں جاتے تھے جو دوسرے
صحابی کہ یا وہابی سے آپ کو یاد آجاتی تھیں۔ ملاحظہ ہو مجمع بخاری، باب
الشیان القرآن ۱۲

حدیثنا راہم بن یحییٰ قال حدثنا
زائدہ ذی حدیثنا ہشتم
معرفة عن عائشة قالت سمعت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
رجلاً یقر فی المسجد فقال
یرحمہ اللہ لقد اذکونی کذا و
کذا انیت سورة کذا

عروہ کہ روایت ہے حضرت عائشہ
سے کہ یہاں کتاب نے ایک شخص کو مسجد
میں مسنونہ آیت پڑھتے سنا حضرت نے
فرمایا خدا اپنی رحمت اس کے دل
حال کرے۔ اس نے پھر کو تلاں تلاں
آیت تلاں سورہ کی یاد دلا دی

دوسری روایت

را۱ اتفاقاً مطبوعہ دہلی ص ۵۳

(۲) ص ۵۲ نصف دوم مطبوعہ کزننگٹن پریس دہلی

حدثنا احمد بن ابی سہاء قال
حدثنا ابو اسامہ عن هشام بن
سہرہ عن ابیہ عن عائشۃ قالت
سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم یسجد فی سورۃ البقرۃ
فقال یرحمہ اللہ لقد اذکونی کذا
وکذا (ایہ نکنت انسیحاً من
سورۃ کذا او کذا)۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسالت اللہ
نے ایک شخص کو رات کے وقت
قرآن کی تلاوت کرتے سنا حضرت
نے فرمایا خدا اپنی رحمت اس کے
تسلیٰ کرے۔ اس نے مجھ کو تلا
فلاں آیت یاد دلائی جو میں فلاں
فلاں سورہ سے کہوں گیا تھا۔

تیسری روایت لایاب من لم یروہا سا ان یقول سورۃ البقرۃ
وسورۃ کذا) میں ہے۔

حدثنا بشیر بن ادم قال أخبرنا
علی بن مسہر قال حدثنا
ہشام عن ابیہ عن عائشۃ
قالت سمع النبی صلی اللہ علیہ
وسلم قام یا یقرئ من اللیل
فی المسجد فقال یرحمہ اللہ
لقد اذکونی کذا وکذا ایۃ

حضرت عائشہ نے بیان کیا ہے کہ
رسالت اللہ نے ایک قاری کو رات کے
وقت مسجد میں تلاوت کرتے ہوئے
سنا آپ نے فرمایا خدا اس پر رحمت
نازل کرے۔ اس نے مجھ کو فلاں
آیت یاد دلائی جو میں فلاں سورہ
سے ساتھ کر گیا تھا۔

(اسقطتہا من سورۃ کذا و کذا)

فتح الباری میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے۔

الاسقطتہا دہتر فی السورۃ ایۃ اس روایت میں یہ ہے کہ میں نے ان
الانسانۃ انستیعھا ہی مفسرین آیتوں کو ساقط کر دیا تھا اور دوسری
لہو لہ اسقطتھا و کذا قال ۰ روایت میں جو ساقط گئی یہ تھا کہ میں
اسقطتھا انسانۃ کلامہا ان یقول کو بھول گیا تھا وہ اس روایت
کی تشریح ہے۔ مگر یا حضرت نے فرمایا کہ میں ان آیتوں کو بھولے سے ساقط کر گیا تھا
نہ جان بوجھ کر۔

ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت کو قرآن کامل طور سے حفظ
نہ تھا اور اس لیے جو آیات آپ بھول جاتے تھے وہ صحابہ کی تلاوت سے آپ کو
یاد آ جا یا کرتے تھے اور ممکن ہے کہ ان آیات کے علاوہ بھی ایسی آیتیں ہی
ہوں جو صحابہ کی تلاوت سے آپ کے گوش زد اس طرح نہیں ہوں کہ آپ کو
یاد آ جائیں۔

بہر حال یہ روایات میرے لیے قابل قبول نہیں ہیں اس لیے کہ میں
رسول کی ذات کو سہو و نسیان سے بہا تر سمجھتا ہوں۔ آپ حامل وحی اور
امانت دار و رسالت الہی تھے۔ ایک جملہ ایک کلمہ اس وحی کا آپ کی نظر سے

اور جعل ہونا ممکن نہیں ہے۔
 خود صحابہ کے حفظ قرآن کی صحت اور عدم صحت کے لیے آپ کا ارشاد
 معیار اور سند اعتبار ہے۔ یہ نہیں ممکن ہے کہ ان کی قرأت و تلاوت آپ کی
 یاد دہانی کا ذریعہ قرار پائے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خود صحابہ کرام
 میں قرآن مجید کے تمام و کمال حفظ کی طرف کوئی خاص توجہ نہ تھی اس لیے
 رسول اکرم کے قریب صحابہ میں حفاظ قرآن کی فہرست جمع کی انگلیوں پر
 شمار کر لینے کے قابل رہی اور اس سے زیادہ نہ ہوئی۔

چوتھا تبصرہ

حفاظ قرآن کی کثرت کا سبب اصلی

یہاں کتاب کی زندگی میں ان لوگوں کی تعداد جنہوں نے قرآن کو پورے
 طور سے حفظ کیا ہو بہت کم تھی۔ خلافت اولیٰ کے زمانہ میں بھی صورت حال
 یہی قائم رہی۔

اگرچہ اس زمانہ میں قرآن مجید دون صورت سے جمع ہو گیا تھا ایک قطر
 رسول کے بچے جانشین امیر المومنین علی بن ابیطالب نے اس کو شان تہنیل
 کے مطابق ناسخ و نسخ، محکم و منشاء و تنزیل و تاویل سمیت مرتب فرمایا۔

دوسری طرف خود ادارہ خدفت کی طرف سے قرآن مجید کی جمع و تالیف کا کام انجام دیا گیا اور زید بن ثابت کی جانفشانی سے یہ کام انجام کو پہنچا۔

مخاد اسلامی کے محافظ حقیقی حاشین سولہ نے دیکھا کہ جب شاہی توجہ خود قرآن کے جمع کی طرف متوجہ ہوئی ہے اور یہ کام استہام خاص سے انجام دیا گیا ہے جس میں سوائے اختلاف ترتیب کے کوئی ایسی اہم خرابی نہیں ہے جو مفاد اسلامی کے بے ہلک ہو تو آپ نے اپنے جمع کردہ قرآن کی نشر و اشاعت مسلمانوں کے شیرازہ کے کھرنے اور نشست و اشراق پیدا ہونے کا سبب سمجھ کر متوی کی اور اس سلک مروارید کو تمام حجت کی بنا پر دربار خلافت میں دکھلا کر یہ سننے کے بعد کہ ”ہم کو اس کی ضرورت نہیں“ اہل زمانہ کی ناقدری کا مرتبہ پرستے ہوئے اپنے خزانہ خاص میں محفوظ کر لیا۔

ارکان خلافت کی جانب سے بھی قرآن کو اجزاء کی شکل میں کیا کرنے کے بعد کوئی کوشش ان کے نشر و اشاعت میں ضروری نہ سمجھی گئی۔ بلکہ صحیح بخاری کی روایت ”باب جمع القرآن“ میں صاف مذکور ہے کہ

لَا تَأْتِ الصُّحُفَ عِنْدَ ابْنِ مَكْرُومٍ حَتَّى تَوْفَاَهُ اللَّهُ ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَيًّا ثُمَّ عِنْدَ حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ

”جمع شدہ صحیفے حضرت ابوبکر کے پاس محفوظ رہے یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوا پھر حضرت عمر کے پاس رہے ان کی زندگی تک ان کے پاس کے بعد

حضرت حفصہ ام المومنین بنت حضرت عمر کی طرف منتقل ہوئے (۱)۔
 عام مسلمانوں کے لیے صورت حال جو اس کے قبل تھی وہی باقی رہی۔
 یعنی وہ ان حفاظ سے جو غیر مرتب طور سے منتشر جزا کو اپنے پاس محفوظ
 کیے ہوئے تھے قرآن مجید کی تکمیل بھی حاصل کریں لیکن اس صورت سے محفوظ کرنے
 میں دشواری بہت تھی اور کوئی خاص توجہ مسلمانوں کو اپنی محدود ضرورت
 سے زیادہ قرآن حفظ کرنے کی طرف تھی بھی نہیں۔

ان مخصوص صحابہ نے جو قرآن کو غیر مرتب حیثیت میں لیکن مکمل طور پر
 حفظ کیے ہوئے تھے اپنے اپنے مذاق کے مطابق جمع و تالیف کے کام کو بھی
 انجام دیا جن میں عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، معاذ بن جبل خاص
 اہمیت رکھتے تھے۔ اور ابو موسیٰ اشعری نے بھی اپنے محفوظات کی بنیاد پر
 ایک قرآن جمع کیا تھا جسے اہل بصرہ میں مقبولیت حاصل تھی اور وہ انہیں
 ”اباب القلوب“ کے نام سے مشہور تھا۔ (۲)

ان صحاح میں ترتیب کے اعتبار سے زمین آسمان کا فرق تھا اور
 ایک کو دوسرے سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ہمارا رسالہ
 ”تخریفات قرآن کی حقیقت“ دوسرا ایڈیشن ص ۶۵-۲۔ اس لیے بھی
 مسلمانوں کے لیے حفظ قرآن میں آسانی نہ تھی بلکہ بڑی دشواری تھی۔

(۱) بخاری مطبوعہ دہلی نصف دوم ص ۵۴ (۲) اعجاز القرآن راضی مطبوعہ مصر ص ۳۰ و ۳۱

حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں نماز تراویح کی ایجاد کی اور جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے، آپؓ نے وہ رمضان کی راتوں کے نو فرائض ایک حافظ قرآن کی اقتاد میں ادا کرنے کو ایک اچھی بدعت قرار دیا۔ ملاحظہ فرمائیج بخاری۔
 باب فضل من قام رمضان (۱)

قال عمر بن الخطاب ما لي اجمعتم هؤلاء على قارئ واحد لكان امثل ثم عزمهم علي ابى بن كعب ثم خرجت به ليلة اخرى والمناس يصلون بصلوة قارئهم قال عمر نعم المبدعة هذا
 حضرت عمرؓ نے لوگوں کو متفق طور سے نو فرائض ادا کرنے پر مجبور فرمایا کہ میرے خیال میں اگر ان کو ایک حافظ قرآن کی اقتاد میں مجتمع کر دیا جائے تو یہ بہتر ہے پھر آپؓ نے اس کا قطع ارادہ کر لیا اور ان کو ابی بن کعب پر مجتمع کر دیا ایک منہ پر مسجد میں آئے اسے وقت جب لوگ مجتمع طور سے اپنے حافظ کی سمیت میں یہ نماز ادا کر رہے تھے آپؓ نے فرمایا کتنی اچھی بدعت یہ اس بدعت کے ذریعے حفظ قرآن کا ایک صوف پیدا ہو گیا۔ خاکم کی ایجاد خلیفہ المسلمین کی پسندیدگی اور نعم البدلہ کے لئے اس کی تعریف اب کہا تھا لوگوں کو اس میں انساک ہو گیا۔ نماز تراویح کے امام بننے کی ہوس حفظ قرآن کے بغیر کوہی کیونکر مہتی۔ اس لیے بہت سے لوگ حضورؐ نے

رسالتاب کے سامنے مقور بہت قرآن حفظ کیا تھا مگر پورا نہ کر سکے تھے۔
انھیں شوق تازہ ہو گیا اور قرآن کے حفظ کی تکمیل کی چنانچہ قیس بن یمن
سکونی کے متعلق ہے کہ کان قد قرأ القرآن علی محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم و ساءوا احصاء علی محمد بن عمر۔

”رسالتاب کے زمانہ میں کچھ قرآن حفظ کیا تھا مگر اُس کی تکمیل حضرت
عمر کے زمانہ میں کی“ (۱)

اصابہ میں ہے کہ کان قد قرأ القرآن علی محمد بن عمر
قرآن حضرت عمر کے زمانہ میں حفظ کیا۔“

معاذ بن حارث بن ارقم خزرجی نے بھی غالباً اسی زمانہ میں حفظ قرآن
کیا تھا۔ اس لیے کہ رسالتاب کے زمانہ کے حفاظ میں ان کا نام کہیں نظر
نہیں آتا۔ اور یہ حفظ قرآن ان کے کام بھی آیا چنانچہ حضرت عمر نے ان کو
نماز تراویح کا امام مقرر کر دیا۔ (۲)

ابی بن کعب کے پاس جو سب سے پہلے امام تراویح مقرر کیے گئے
تھے۔ لوگ آکر قرآن حفظ کرنے لگے اور اس سلسلہ میں نذرانے بھی دیے گئے
عن الفضیل بن عمرو الذہبی • طفیل بن عمرو دی کا بیان ہے کہ

(۱) استیعاب نیر خاشیہ اصابہ مطبوعہ مصر ج ۳ ص ۳۹۲ (۲) ج ۳ ص ۳۹۲

(۳) ص ۳۹۲

قول اقرانی (ابی بن کعب) مجھ کو اب بن کعب نے قرآن حفظ کرایا ہے
 القرآن فہدیت (ہر قوساً) ان کی خدمت میں ایک کمان
 (اصابہ ج ۲ ص ۲۲۵) پیش کی۔

لوگوں نے حفظ قرآن کے متعلق خواب بھی دیکھنا شروع کر دیے۔
 چنانچہ سعد بن وحاش نے جو صغلا یہ میں سے تھے یہ خواب دیکھا کہ ایک حوض
 ہے جس سے لوگ شکیں بھریے ہیں کسی کی مشک چھوٹی ہے، کسی کی بڑی
 انھوں نے پوچھا یہ کیا ہے معلوم ہوا قرآن“
 اس خواب کو دیکھ کر سعد نے عہد کیا کہ کم از کم سورہ بقرہ اور آل عمران
 ضرور حفظ کریں گے (۱)

مگر ”عصمت بی بی بے جاوری“ سلسلہ نول کا شوق حفظ قرآن کے
 بارے میں پورے طور سے پورا ہونا ممکن نہ تھا کیونکہ ابھی تک کتابی صورت
 میں قرآن مجید شائع نہ تھا کسی شخص کے لیے بطور خود کتاب کے واسطے سے
 قرآن کو حفظ کرنا ممکن نہ تھا، بلکہ ضرورت اس کی تھی کہ انہی سعد و دے
 چند افراد کی طرف جو حفظ قرآن کی خصوصیت کے مالک تھے۔ (جیسے
 ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود وغیرہ) رجوع کریں اور ان کے پاس
 بیٹھ کر قرآن حفظ کریں اور اس میں جتنی دشواری تھی وہ ظاہر ہے۔

پھر حضرت عمر اس بات کے روادار بھی نہ تھے کہ عام لوگ قرآن کو خیر
نوشتہ کے سامنے رکھتے ہوئے زبانی پڑھیں چنانچہ جب آپ سے حج کے وقت
پڑ عرقات میں کسی نے بیان کیا کہ کوفہ میں میں نے ایک شخص کو دیکھا ہے جو
قرآن کی زبانی تلاوت کرتا ہے تو آپ کو سخت غصہ آیا، اور فرمایا تھا تو سہی وہ
کون ہے؟ جب معلوم ہوا، عبداللہ بن مسعود تو اس وقت آپ کا غصہ فرو برد
اور فرمایا کہ وہ بے شک اسکے عقدا میں کہ قرآن کو زبانی پڑھیں۔

اس کا نتیجہ تھا کہ جو لوگ قرآن حفظ کرنا بھی چاہتے ان کو سخت کرنے کا
موقع نہ تھا اور انہی حفظ کو تازہ رکھنا ممکن نہ تھا۔

لیکن حضرت عثمان کے زمانہ میں مسلمان مختلف اطراف میں منتشر ہو چکے
تھے۔ یہ صحابہ بھی کہ جو قرآن کے حافظ تھے متفرق شہروں میں جا کر قیام پذیر
ہو گئے تھے۔ تراویح تو اب سنت بن چکی تھی۔

حضرت خلیفۃ ثالث کی پالیسی میں وہ سخت گیری تھی کہ عوام کو
ایک قدم آگے بڑھانے میں بھی سزا کا اندیشہ ہوتا۔

مختلف مقامات کے مسلمانوں نے اپنی اپنی طرف کے مسئلوں سے
قرآن اخذ کرنا شروع کر دیا۔ اہل دمشق و حمص نے متنادہین اسود سے اہل کوفہ
نے عبداللہ بن مسعود سے، اہل بصرہ نے ابو موسیٰ اشعری سے اس طرح

حفظ قرآن کا بازار خوب گرم ہو گیا۔ لیکن ان حافظوں میں خود قرآن مجید کی ترتیب
سورہ و آیات میں انتہائی فرق تھا جس کی وجہ سے وہ لوگ جو ان سے قرآن
حفظ کر رہے تھے وہ بھی آپس میں مختلف تھے۔

نائب جو کہ صوبے مختلف تھے اور شہر جداگانہ ایک کو دوسرے کے
محمولیات کا علم ممکن نہ تھا۔ لیکن جہاں جہاں کا موقع ہوتا اور مختلف شہروں کے
مسلمان قرائین میں جانے کے لیے ایک جگہ مجتمع ہوتے تو آپس کے اختلافات
کا علم ہوتا تھا۔ اور آپس میں جھگڑا ہوتا، ایک کتنا کہ میری قرائت بہتر دوسرا
کتنا کہ نہیں میری قرائت بہتر۔

آخر عبدالغنی بن یحییٰ نے اس صورت حال کی اطلاع بارگاہ خلافت میں
دی، اور حضرت عثمان نے حکم دیا کہ ایک نسخہ صحیف کا زید بن ثابتؓ کی صوابیہ
سے مرتب ہو جس کی نقلیں تمام مختلف صوبوں میں روانہ کر دی جائیں۔ چنانچہ
یہ کام انجام پذیر ہوا اور ایک ٹپی کے اہتمام سے جس کے صدر زید بن ثابت
تھے، صحیف جامع تیار ہو گیا اور اس کی سات نقلیں مختلف ممالک میں
روانہ کی گئیں۔

اس کے بعد حفاظ قرآن میں بڑی سہولت ہو گئی اور حفاظ قرآن کی تعداد
روز بروز بڑھتی گئی جس کا اصلی سبب نماز تراویح کی ویجاہ تھی لیکن اب اس سبب

کی طرف بھی کوئی خاص توجہ نہ تھی۔

اب تو رسم طریقہ - رواج اور پھر اس کے ساتھ موضوع روایتیں جنکے
ایجاد کرنے کا خود وہ صغین تنہائی کے موقع پر قرار ہی کر لیتے تھے

لاحظہ ہو ابن حبان کی روایت ابن ہدی سے کہ میں نے میسرہ بن عبد ربہ
سے پوچھا یہ حدیثیں تم کہاں سے لائے ہو کہ جو شخص غلاں سورہ حفظ کرے اسکا
یہ درجہ ہے جو غلاں سورہ حفظ کرے اس کا یہ ثواب ہے انہوں نے کہا وضعتھا
اسم غلب الناس فجھا۔

”میں نے یہ روایتیں اس لیے گڑھ لی ہیں کہ لوگوں کو حفظ قرآن کا شوق پیدا
دوسری روایت مولیٰ بن اسمعیل کی ہے کہ مجھ سے ایک علم حدیث کے
استاد نے قرآن مجید کے تمام سورتوں کی فضیلت میں ابی بن کعب کی ایک حدیث
بیان کی اور کہا کہ مجھ سے ایک بزرگ نے مدائن میں بیان کیا ہے جو زندہ موجود
ہیں۔ یہ سن کر میں مدائن والے بزرگ کے پاس گیا اور ان سے پوچھا کہ آپ سے
یہ حدیث کس نے بیان کی ہے انہوں نے کہا کہ مجھ سے اسے ایک بزرگ نے
واسط میں بیان کیا ہے جو زندہ موجود ہیں۔ میں واسط والے بزرگ کے پاس گیا۔
انہوں نے کہا مجھ سے ایک بزرگ نے دیمشق میں یہ حدیث بیان کی ہے۔ میں دیمشق
گیا۔ ان بزرگ نے کہا کہ مجھ سے عہد دان کے ایک بزرگ نے بیان فرمائی ہے۔
میں جہاں ان کے بزرگ کی خدمت میں گیا۔ ان سے پوچھا کہ آپ سے یہ حدیث

کس نے بیان کی ہے۔ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر ایک گھر میں لے گئے۔ وہاں کچھ
اہل تصوف کا مجمع تھا اور ان میں ایک بزرگ تشریف فرما تھے پہلے بزرگ نے
کہا کہ دیکھو یہ بزرگ ہیں جنہوں نے مجھ سے یہ حدیث بہت کی ہے میں نے ان سے
دریافت کیا کہ حضورؐ نے یہ حدیث کس سے سناعت فرمائی ہے۔ انھوں نے فرمایا
لحمجد ثنی احد ولکننا رأینا للناس قد سماعنا عن القدران
فوضعتنا ہذا الحدیث لیصرفوا قلوبہم الی القرآن۔
”مجھ سے اس کو کسی نے بیان نہیں کیا ہے لیکن ہم نے دیکھا کہ لوگ
قرآن کے بارے میں بے توجہی کرنے لگے ہیں تو ہم نے یہ حدیث وضع کر دی تاکہ
لوگوں کے دل قرآن کی طرف متوجہ ہو جائیں۔“

تیسری روایت حاکم نے مدخل میں ابو عمار فروزی سے نقل کی ہے کہ
ابو عاصم جامع سے پوچھا گیا کہ یہ روایت جو تم ابن ابی کبیر کی زبانی عکرمہ سے اور
ان کے واسطے سے عبد اللہ بن عباس سے نقل کرتے ہو جس میں فردا فردا
قرآنی سورتوں کی فضیلت مذکور ہے۔ یہ عکرمہ کے خاص اصحاب کے پاس دستیاب
نہیں ہوئی ابو عاصم نے کہا

انی رأیت الناس قد اعرضوا عن القرآن واستغلوا بفقہ
ابی حنیفہ ومذاہبی ابن اسمعیل فوضعت ہذا الحدیث حسبہ۔
”واقعہ ہے کہ میں نے دیکھا بزرگ قرآن سے روگردان ہو گئے ہیں اور

زیادہ تر ابوحنیفہ کی فقہ اور ابن سیرین کی کتاب مغازی کے مطابق میں منہک ہیں
اس ہے میں نے قرینۃ الی اللہ یہ حدیث وضع کر دی۔

ابن صلاح نے لکھا ہے وَلَقَدْ اَخْطَا الْوَاحِدِي الْمَفْسِرُ وَمَنْ

ذَكَرَهُ مِنَ الْعَشْرِينَ فِي اَيِّدِ اَعْمَ قَفِ سَيِّدِهِمْ۔

ابن حادی اور دوسرے مفسرین نے غلطی کی ہے کہ اس موضوع پر

کو اپنی تفاسیر میں جگہ دیدی ہے۔

محقق حذیب واحدی ایسے مفسرین پر یہ راز شکستہ ہوا اور انھوں نے

اس قسم کے احادیث کو اپنے تفاسیر میں درج کر دیا تو اسے پرچس خواہم

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حفظ قرآن ذریعہ قرب و معیار نجات محک حقیقت

ایمان کی کسوٹی قرار پا گیا اور یہ خیال یہاں تک ترقی کر گیا کہ جو شخص سنت و

جماعت مذہب کا پابند نہ ہو اسے قرآن حفظ ہی نہیں ہو سکتا حالانکہ بقہ

یہ ہے کہ قرآن حفظ کرنے کا بغیر مسلم و کون تک نے شرف حاصل کر یا چاہے

مسلمان جو قرآن کو کلام الہی تسلیم کرتے ہیں۔

—————

پانچواں تبصرہ

کتابت قرأت اور حفظ کے مختلف نتائج

جو چیز کسی حیثیت سے مفید ہو یہ ضروری نہیں کہ وہ ہر حیثیت سے مفید ہی ہو بلکہ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ایک حیثیت سے مفید ہیں تو کسی حیثیتوں سے مضرت بھی ہیں۔

عام افراد اکثر اس کے یک پہلو پر نظر ڈال لیتے ہیں لیکن اس کے دوسرے پہلوؤں پر نگاہ نہ انداز کر دیتی ہیں سمجھتے۔

اسلام آباد تھا اسی گروہ میں جو زیادہ تر کتابت و قرأت سے عاری تھے اور کسی چیز کو لکھتے اور اس کو لکھ کر پڑھنے کے عادی نہ تھے اس لیے ذوق حفظ ان میں ترقی پر ہوتا تھا۔ مگر اس کے برعکس وہ دوسرے شعبہ کے قصد سے اور حفظ کر لیتے تھے اور پڑھتے پڑھتے مقررین کی تقریریں زبان سے نکلنے لگتے۔

قرآن کو واتر کی ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ چونکہ وہ مذہبی تعلیمات کا حشر تھا اس لیے ان کو احکام مذہبی اور جہان اسلام سے واقف کرنے کیلئے بھی ان میں قرآن مجید کے شائع ہونے کی ضرورت تھی۔

ان کی زبان عربی ہی تھی اور قرآن انہی کے مذہب اور مذاہب کے

مطابق نازل ہوا تھا اس لیے وہ اگر صرف قرآن کو حفظ ہی کر لیتے تب بھی اسکے
ظواہر الفاظ اور مندرجہ احکام سے واقف ہو جاتے۔

لہذا ان کا حکام سے باخبر کرنے کی صورت ہی یہی تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ
مقدار قرآن کو حفظ کریں۔ لہذا اس وجہ سے رسالتؐ کی جانب سے قرآن کی
تعلیم کے لیے لوگ روانہ کیے جاتے تھے اور مختلف اشخاص تفریق حیثیت سے
جہت مکن ہوتا تھا قرآن مجید کے آیات کو یاد کرتے تھے۔

چنانچہ اگر تعلیم کسی وقت شائع ہوتی اور کتاب عام طور سے رائج، تو
رسالتؐ کی جانب سے ہی کیا جاتا کہ برابر قرآن مجید کے مختلف نسخے لکھ کر مختلف
اطراف میں روانہ کیے جاتے اور لوگوں کو پابند بنایا جاتا کہ وہ انہی نسخوں کے رو
سے قرآن مجید کو حفظ کریں۔

بے شک رسالتؐ نے شگ بناماس کا نصب کروایا۔ اس طرح کہ خود
قرآن مجید کی جماعت نازل ہوتی اس کو فوراً لکھوا لیتے تھے اور وہ ایک مکمل صحیفہ نسخہ
قرآن مجید کے آیات کا تھا جو آپؐ کے پاس محفوظ تھا اللہ ہی اصل ہو سکتا تھا نام
ان نسخوں کے لیے جو بعد میں لکھوائے جاتے حضور اکرمؐ کی وفات کے بعد حضرت امیرؓ
نے ان نسخوں کو کتابت کو شان نزول کے مطابق ترتیب دے کر ایک محل صحف
تیار کر لیا اور اسے سنانوں کے لیے یہ جان راستہ کھلا ہوا تھا کہ وہ اسی صحف
کے مطابق اپنے اپنے لیے قرآن کے نسخوں کو نقل کر لیں۔

لیکن تعلیم و کتابت کی گئی اور ذوقِ حفظ کی زیادتی غیر موجود و سبھی مفصل
اور انصافِ بات اور اس سے بعد جو جس فتوحات و تسخیرِ ممالک نے الہیہ ہونے دیا۔
کتابت اور حفظ کو پہلو بہ پہلو رکھا اگر عقلِ حبثیت سے میرا نہ کیا جائے، تو
دوسری صورت میں بہت سی ایسی کمزوریں پائی جاتی ہیں جو شست و آفرین
کا باعث اور غرضِ اس مفقود ہونے کا سبب ہیں۔

کتاب اگر ایک دفعہ لکھ دی گئی اور اس کا پورے طور سے مقابلہ کر کے تصحیح کا کام
و انجام دیا گیا تو وہ ہمیشہ کے لیے صحیح ہے۔ جب تک خاص طور سے کوئی اس کو
سخت نہ کرنا چاہے وہ غلط نہ ہو جائیگی۔

لیکن حفظ سرورِ خط و کام کر رہے فرض کیا جائے کہ ایک دفعہ کسی حافظ نے
بڑی جانفشانی و تہام کے ساتھ کسی پڑے ہوئے خط سے قرآن یاد کر کے اس کو
استماعی و ادبی شروع سے آخر تک کہیں غلطی نہ ہوئی اور اس نے تصدیق بھی
کر دی لیکن طبعِ انسانی ہر وقت معرینِ تغیرات و نقلات ہے ایک ہفتے
دن کے فاصلہ میں بہت جگہ واد کی جگہ قات و بقت کی جگہ واد و مقدم کا موخر اور
موخر کا مقدم ہو گیا۔

اب انسان نے جو اپنے حفظ کی رو سے پڑھا، اگر اس کو تودہ اور شہنہ پیدا
ہو گیا کہ یہاں پر واد ہے یا قات تو خیر لیکن بھی ہے کہ وہ بھرا ہے استاد سے
جا کر اس کی تجدید کرے لیکن اگر غلطی نے حفظ کی صورت اختیار کر لی اور توجہ

بھی نہ جوتی کہ یہاں کچھ کا کچھ ہو گیا تو وہ اسی غلطی پر قائم رہ گیا۔ اُسے تو یہ
بجور و سہ ہے کہ میرا حفظ معیار امتحان میں کامل ثابت ہو چکا، استاد کی طرف
سے سنا حاصل کر چکا ہے۔ یہاں اُس میں کتنے انقلابات و تغیرات ہو گئے
ہیں جسکی اُسے خبر بھی نہیں۔

یہ صد نہیں انسان کے محفوظات میں اکثر پیدا ہوتی ہیں جن کی ہر شخص
تصدیق کر سکتا ہے۔ اس کا نتیجہ تھا کہ صد و اسلام میں جو حفظ قرآن پر شروع
ہیں مجبوری اور آخر میں تمام قلوب پر راہی اور دوسری مصر و فیتوسا کی وجہ
سے وہ وہاں رکھا گیا تو قرآن کے الفاظ میں وہ اختلافات ہوئے کہ اکثر
کی بنا و جن کو بعد کے مفسرین نے قراءات سبعہ کے پردہ میں چھپایا اور یہ کہا کہ
وہ سب قراءتیں رسالت اکرمؐ کے اوپر بخدا کی طرف سے نازل شدہ تھیں اور
نزل القرآن علی سببنا حرف من احرف سے مراد وہی قراءتیں ہیں۔
حالانکہ حقیقت حال اس کے خلاف ہے اور ان اختلافات کی ذمہ داری
کو خدا و رسولؐ کے اوپر عائد کرنا کتاب الہی کی عظمت و دار اسکے وقار و استحقاق کو
سنا فی ہے۔

ابی بن کعبؓ درابن جود نے بے شک قلمبند صورت میں مصحف کو
نزدیق دیا تھا لیکن انھوں نے اپنے مصحف کو پرہ راست رسالت اکرمؐ کے
مکتوب نسخہ قرآن کی رو سے نہیں لکھا تھا لہذا اس سے مطابن کیا تھا جبکہ

پہلے قرآن کو حفظ کیا تھا اور پھر اسے حفظ کے مطابق اس کو آئینہ کیا تھا جس کی بنا پر جتنے اختلافات ان کے خلاف تھے وہ مسابحات کے کتبہ محفوظ میں آگئے۔ اور کتابت کی بنیاد حفظ پر قرار پانے سے کتابت کا فائدہ مفقود ہو گیا۔

یہ اختلافات اس حد پر تھے کہ بعد یحییٰ بن الیمان کو اس میں خویشی و جنگ کا خوفناک موقع دکھائی دینے لگا۔ وہ انھوں نے حضرت عثمان کے پاس اس کی فریاد کی۔

حضرت عثمان نے ان اختلافات کے مٹانے کی تدبیر کی۔ وہی تدبیر جو اس کے بہت پہلے ہونا چاہیے تھی یعنی ایک نسخہ قرآن مجید کا کھوا کر اس کی نقلیں کرائی جائیں۔ وہ مختلف اطراف میں روانہ کر دی جائیں۔

مردم دیکھتے ہیں کہ جتنے اختلافات پیدا ہوئے تھے وہ اس وقت کہ جب قرآن حفاظ قرآن کی توجہ کا رہا تھا۔ اور اس کی نشر و اشاعت حفظ و قرات میں محدود تھی۔ لیکن اس وقت سے کہ جب سے وہ پابند تحریر ہوا اور کتابت کی بنیاد حفظ پر قرار پائی اس میں تغیرات کا وہ نوازہ بند ہو گیا بلکہ سلاطین نے یہاں تک اس کی پابندی فرض سمجھی کہ امار کی غلطیاں اتفاق سے کتاب کی کاپیوں پر ہوتی تھیں اور شاید واضح سمجھ کر چھوڑ دی گئی تھیں کہ ان کی اصلاح ہو جائے گی وہ قرآن کے رسم الخط کا خیر و برکت کا بک محفوظ رکھی گئیں۔ جیسے۔
لَا اَفْلَحَ اُولَٰئِكَ اَوْ صَنَعُوا كَالْفُجُوٰرِ کُلِّیْمْ حَیْثُ نَبِیْ رُکِّنَاوَهُ اَبَیْکَ

موجود ہے اور یادگار کی حیثیت سے دور اول کی تجدید کر رہا ہے۔
اس کے بعد قرآن سبب کے اختلافات جو پیدا ہوئے ہیں وہ بھی حفظ اور
طریق قراءت کے اختلافات کا نتیجہ ہیں جو کتاب کے نقاط و علامات اعراب سے
خالی ہونے کا نتیجہ تھے۔

اور جب کے نقاط و علامات اعراب کی وضع ہو گئی۔ اس اختلاف کا دور بارہ
بھی سدوم ہو گیا۔ اور قرآن مجید ایک منضبط شکل کے اور پر دنیا میں محفوظ رہا۔
مسلمانوں کا وقتاً فوقتاً کتابت کی تکمیل کی طرف متوجہ ہونا خود اس کی
دلیل ہے کہ حفظ ہر صورت سے درد کا درماں نہ تھا اور اس میں خرابیاں پیدا
ہوتی جا رہی تھیں۔ اور اسی لیے ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ کے اصول کے
مطابق وہ سورتیں ایجاد ہوتی رہتی تھیں جن سے ان خرابیوں کا سد باب ہو۔
خود رسالت کتاب اور ان کا علم پروردگار حافی خلیفہ اور جانشین اس صورت
حال پر پہلے سے متوجہ تھے۔ چنانچہ رسالت کتاب نے اسی لیے کاتبان وحی کی
جماعت مقرر کر کے اپنے پاس قرآن مجید کا وہ مکمل نسخہ تیار کر لیا تھا جس میں
سوائے متفرق اور غیر مرتب ہونے کے اور کوئی کمی نہ تھی۔

حضرت کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلا کام جو کیا یہ کہ قرآن کو یکجا صورت
میں ترتیب دینا جس کے متعلق آپ فرمایا: مرایت کتاب اللہ بزيادة فيه
تخذت نفسي أن لا البس مني إلا للصلاة حق اجمعہ

میں نے دیکھ کر قرآن میں لوگ (یاوں غلطی سے زیادتی کر دیتے ہیں تو
میں نے ارادہ کیا کہ میں نبی و رسولؐ کے عادت نماز کے دوش پر نہ ڈالوں گا
جب تک کہ قرآن کو مجتمع نہ کر لوں۔^(۱)

پھر بچے علم نحو کی بنیاد اسی لیے ڈالی کہ قرآن کے پڑھنے میں اعرابی
غلطیوں کا سد باب ہو۔ جیسا کہ ابو بکر بن عبد الرحمن بن محمد بن انباری نے
نزمہ الابرار میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے ایک اعرابی کو سنا کہ وہ پڑھ رہا ہے
لا یا لکھ الا الخاطئین۔ حالانکہ پڑھنا چاہیے لایا کا الا الخاطئون
حضرت نے اسی کے بعد علم نحو کی بنیاد ڈالی۔^(۲)

آپ کے شاگرد خاص ابو الاسود دؤلی نے آپ کی نگرانی میں اس کی تدوین
کی اور اس کے قواعد و ضوابط مرتب کیے اور یہی ابو الاسود وہ ہیں جنہوں نے
قرآن مجید میں نقطے اور اعراب لگائے۔ اور یہ بیان کیا کہ میں نے اس کا طریقہ
علی بن ابیطالب سے سیکھا ہے۔^(۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرمؐ اور آپ کے صلی علی بن ابیطالبؑ کے
بااختصاص شاگرد یہ جانتے تھے کہ قرآن مجید کی قرات ایک مستحکم علمی بنیاد اور
مضبوط اصول پر ہوا اور اس کتابت کے ساتھ قرات ہونے سے غلطی اور بخلال کچھ

در، اتقان سبوی مطبوعہ دہلی ص ۸۷۔ (۲) مجلہ "العیار" لکھنؤ ج ۶ ص ۹۵۔

کا امکان کم ہے۔

مگر افسوس ہے کہ عام افراد اس نکتہ پر توجہ نہ دیتے اور وہ کمزوری صورت کے روستے تلاوت کرنے کے بجائے زبانی قرآن حفظ کرنے اور اس کے پڑھنے میں منہمک ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کرتا ہے کہ انسان کو الفاظ کے خصوصیات و جزئیات اور ان کی ترکیبی ساخت و پرداخت کی طرف کوئی توجہ نہ رہے۔

انسانی انتہائی طبع کی بنا پر یہ قاعدہ و کلیہ کی حقیقت نکلتا ہے کہ جب تک ایک چیز انسان کو زبانی ملتی ہوئی اور حفظ نہیں ہے، انسان کو اس کے پڑھنے میں اس کے اعتقاد و معانی کے خصوصیات پر توجہ ہوتی ہے۔ یعنی اس کا تعلق انسان کے دل و دماغ کے ساتھ باقی رہتا ہے۔ لیکن اور ہر انسان نے اس کو دھڑ لیا اور حفظ کر لیا۔ اب تعلق اس کا انسان کے دل و دماغ سے قطع ہو گیا۔ اب اس کا تعلق براہ راست انسان کی زبان کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض وقت پڑھنے کے موقع پر انسان کو کوئی توجہ ان الفاظ کی طرف ہوتی ہی نہیں جو اس کی زبان سے نکل رہے ہیں۔ بلکہ زبان خود ایک مرتب نظام کے اوپر ایک نقطہ سے دوسری نقطہ کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ اس لیے اکثر ایسی چیزیں انسان سونے میں یا غفلت و بے خبری کے عالم میں پڑھ دیتا ہے اور اسے توجہ نہیں ہوتی۔

اور اسی کا نتیجہ ہے کہ اکثر اس طرح کے حائق جب در بیان سے سلسلہ قطع ہو جائے، اتفاق سے بھول جائیں، تو جب تک شروع سے پھر نہ پڑھیں

انھیں یاد نہیں آسکتا۔

اسی طرح کسی استشہاد کے موقع پر یہ استدلال کے لیے انھیں وہ آیت
بیش نظر نہیں ہوتی جو شاہد یا دلیل کے طور پر پیش ہونے کے قابل ہے اس لیے
کہ وہ آیت تو ایک مسلسل نظام کے اندر ہے جس کے خصوصی اجزاء ہر ایک کی نظر نہیں ہے
ان تمام احکام سے مستثنیٰ وہی حافظ ہو سکتے ہیں جنہوں نے قرآن کو تدبر
کے ساتھ حفظ کیا ہے جو رسالت کی ہدایت تھی، اور جس پر آپ کا اپنے صحابہ
کے لیے عہدہ آد تھا۔ آپ کبھی اس کو پسند فرماتے تھے کہ آپ کے اصحاب قرآن
کو سرسری طور پر حفظ کر لیں۔ بلکہ آپ کے زمانہ میں حفظ کرنے والے اصحاب خاص
طور سے حفظ قرآن کیا کرتے تھے جس میں تدبر کا جوہر خاص طور پر محفوظ ہوتا تھا۔
حافظ جلال الدین سیوطی، اپنی کتاب "انقان" میں تحریر کرتے ہیں: قال
ابو عبد الرحمن السبکی حدثنا الذين كانوا ايقظون القنات
كعثمان بن عفان وعبد الله بن مسعود وغيرهما اتفقوا كانوا
اذا تعلموا من النبي صلى الله عليه وسلم عشية ليلات لم
يتجادروا حتى يتعلموا ما فيها من العلم والعمل قالوا فليعلمنا
العلم والعمل جميعا ولطفوا كانوا يبقون مدة من
حفظ السورة۔

ابو عبد الرحمن سبکی کا بیان ہے کہ نجد سے اُن لوگوں نے جو رسالت کے

اسانے حفظ قرآن کرتے تھے جیسے عثمان بن عفان و عبد اللہ بن مسعود وغیرہ۔
 بیان کیا کہ وہ لوگ جب رات کو سوئے تو دس آیتوں کی تعلیم حاصل کرنے لگتے تھے
 ان آیتوں سے آگے نہ بڑھتے تھے جب تک وہ تمام باتیں علم و عمل کی جان آیت
 میں مضمر ہیں سمجھ نہ لیں۔ اس طرح حضرت ہم لوگوں کو قرآن اور ظلم اور عمل کی بات
 تعلیم فرماتے تھے اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ان کو ایک مدت ایک سورہ کی تعلیم میں
 گزر جاتی تھی۔

انس کا بیان ہے کہ کان الرجل اذا قرأ المبقرة قال عمران جبل
 فی اعیننا۔

وہ کوئی شخص اگر سورہ بقرہ اور آل عمران حفظ کر لیتا تھا تو وہ ہماری نظر میں
 مغرور ہو جاتا تھا۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ زیادہ حفظ کرنے کے بجائے اس کو بہتر سمجھتے تھے
 کہ جتنا حفظ کرے اس کو تمام معانی و حقائق کے ساتھ محفوظ کرے اور صرف
 ظاہری حفظ قرآن پر اکتفا نہ ہو۔

لیکن فسوس ہے کہ بعد کے لوگوں نے اس جوہر کو گم کر دیا اور ان کی تمام
 توجہ صرف الفاظ کی طرف منتقل ہو گئی۔ ظاہر برکت حکام نے ان کی ہمت افزائی کی
 چنانچہ سند یحییٰ زبیدی اپنی کتاب الامتحان السادة المتقین شریف
 احیاء علوم الدین میں مفسرین اسلام میں لکھتے ہیں۔

منھا انہ جمع من لقلہ وثلثین رجلاً فکانوا یعدون حروف
المصحف وکلمہ منھم : نو سادھم عمر او عثمان او علیؓ یستعون ہذا
لما وجعہم عنہا۔

حجاج بن یوسف ثقفی کی بدعتوں میں سے یہ ہے کہ اُس نے تیس آدمی
حافظوں میں جمع کیے جو یک ہینہ تک قرآن کے حرفوں اور نفلوں کا شمار کرتے
رہے حالانکہ اگر حضرت عمر یا حضرت عثمان یا حضرت علیؓ ایسا کرتے دیکھنے تو سخت
سزا دیتے۔“

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معانی زینت طاق سنیاں بن گئے اور الفاظ قرآن
کے ظاہری محافظ ہر طرف کثرت سے نظر آنے لگے۔

چھٹا تبصرہ

حفظ قرآن کے بارے میں شیوہ کی کم توجہی کے وجہ

اور

معانی قرآن میں شیعوں کے خدایات

گزشتہ حصہ کتاب میں حفاظ قرآن کی کثرت کے اسباب اور حفظ قرآن کی بہت
و افادیت کے متعلق جو تبصرے لکھے گئے ہیں انھی سے یہ نتیجہ نکلا کہ شیعوں

اشفاق قرآن کے زبانی حفظ کے متعلق پوری توجہ کیوں نہیں کی؟
 واقعہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ قرآن کی کثرت کا، اصلی سبب نماز تراویح کا ایجاد
 ہونا تھا شیعہ نماز تراویح کو بدعت سمجھتے تھے دوسرا سبب دنیاوی حکام
 کا قرآن کے الفاظ پر زیادہ توجہ صرف کر کے حفاظ کی عزت افزائی کرنا تھا۔
 شیعہ ہمیشہ ان حکام کے طرز عمل کو مشکوک نظر سے دیکھتے تھے اور ان کے
 کسی طریقے کو اسلام کی خیر خواہی پر محمول نہ سمجھتے تھے۔ آئیمہ مدعو میں نے
 جن کے اقوال و روایات پر شیعوں کا عمل رہا کیا، اپنے پیش رو اور مورث اعلیٰ
 حضرت رسول اکرم کی پیروی میں صرف الفاظ قرآن کے حفظ کو کوئی اہمیت
 نہیں دی بلکہ زیادہ توجہ معانی پر مبذول رکھی۔ اس کے بعد شیعوں کو حفظ
 قرآن کی طرف زیادہ توجہ ہوتی تو کیوں؟
 بیشک قرآن کی استواری حیثیت سے جو حقیقت اہم درجہ رکھتی ہے شیعوں
 نے وسیع خدمات انجام دیے۔

علامۃ الدہر اکابر حیدر علی صاحب دہلوی کی کتاب الشیعہ و فنون الاسلام
 میں پہلا فصل "تقدم الشیعۃ فی علوم القرآن" تھا جس کے باب میں ہے۔
 جس میں ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید سے متعلق جتنے علوم و فنون ہیں سب میں
 تقدم کا سہرا شیعوں کے سر ہے۔

تفسیر کا علم جو ان میں سب سے اہم ہے اس میں سب سے پہلے حضرت محمد بن

تاجی بن حن کو حجاج بن اوسف نے بحکم تشیع شہید کیا تھا۔ ان کا تفصیل تذکرہ
بعض من حفاظ قرآن اس کتاب میں آئندہ آئے گا۔

سدی کبیر اسمعیل بن عبدالرحمن کوئی بھی اگرچہ ہمارے علماء کو
اُن کے تشیع میں تامل ہے لیکن

ابن قتیبہ کی کتاب معارف میں اُن کے شدید ہونے کی تصریح ہے۔

نیز محمد بن ناسب بن بشر کلبی بھی شیعہ تھے اور سحافی نے کتاب الانساب
میں اُن کے تشیع کی تصریح کی ہے۔ ان کی تفسیر کتب تفاسیر میں خاطر ہدایت
رکھتی ہے اور احکام القرآن میں یہ سب سے پہلے مؤلف ہیں۔

جابر بن یزید جہنی نے جو امام محمد باقر کے صحابہ میں سے تھے تفسیر قرآن تحریر
کی اور ان کی وفات ۱۲۷ھ میں ہے۔

یہ لوگ وہ ہیں جن کے پہلے تفسیر قرآن کی تصنیف کے راستہ میں کسی غیر کے
قدم نہیں ہیں۔

غریب القرآن یعنی قرآن مجید کے لغات کی شرح میں سب سے پہلے
مصنف ابان بن تغلبہ ہیں جن کا تذکرہ حفاظ قرآن کے ذیل میں آئے گا۔

ابو جعفر واسی۔ ابو عثمان مازنی۔ قمر بن علی بن محمد سیاطی۔ ابن ورد کوئی۔
سبھی وہ لوگ ہیں جو اس سلسلہ میں تقدم کا درجہ رکھتے ہیں۔

معانی قرآن میں بھی ابان بن تغلبہ مقدم ہیں اور ابو جعفر واسی و قمر بن

نے اس میں تصنیف کی خدمت انجام دی ہے۔

ناسخ و نسخ قرآن میں عبداللہ بن عبد الرحمن صمم سمعی بصری پہلے مصنف
ہیں۔ یہ امام جعفر صادقؑ کے اصحاب میں سے تھے اور وایم بن قبیصہ بن نسل بن
جمع بن عیسیٰ امی جو امام رضاؑ کی ملاقات سے شرفیاب ہوئے ہیں ان حضرات کے
پہلے کوئی شخص ناسخ و نسخ کا مصنف نظر نہیں آتا۔

نوادق قرآن کے مصنفین علی بن ابراہیم قمی علی بن حسن بن فضاں ابو نصر
عیاشی فرست ابن ندیم میں ان کا تذکرہ موجود ہے اور لکھلے کہ وہ شیعیہ تھے
مشابہ قرآن میں پہلے مصنف حمزہ بن حبیب زیات کوئی ہیں جو امام جعفر
صادقؑ کے صبی بنی اور شیعہ تھے۔

ان کے بعد دوسرے علماء نے بھی اس فن میں تصانیف لکھے ہیں جیسے
محمد بن احمد و ذبیحہ جو شیخ طوسی کے معاصر تھے اور علامہ ابن شہر آشوب جن کی کتاب
مشاہدات القرآن ہماری بھی نظر سے گزری ہے۔

مجازات القرآن میں سب سے پہلے مصنف فریحی بن زیاد نخوی ہیں جن کے
تشیع کا اعتزال کے نام سے سیوطی نے بھی اقرار کیا ہے۔

علامہ سید رضی جامع نسخ البلاغہ کی کتاب اس سلسلہ میں بے بہا درجہ رکھتی ہے
امثال القرآن میں نسب پہلا نام محمد بن محمد بن حنفیہ کا نظر آتا ہے ورنہ
پہلے کوئی معلوم نہیں ہوتا۔

صد اول کے بڑے مفسر ترجمان القرآن، ابو الفتح بن عبد اللہ بن عباس
تھے جب کا ذکر و حفاظہ شیعہ کے ذیل میں اس کتاب میں آئے گا۔

طاووس۔ عیسیٰ بن سعید بن مسیب۔ حران بن اعین۔ ابو حمزہ ثمالی۔ ابو بصیر
حصین بن غریق۔ ابرہہ و سہول۔ یونس بن ابی یسب پہلی صدی کے مفسرین
ہیں جو ائمہ فہرستہ کے جاتے تھے، اہل وہ مشیعہ جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔
پھر محمد بن خالد برقی اور ائمتہ کے بھائی حسن بن خالد۔ علی بن حسن بن فضال
ابراہیم بن محمد بن سعید نقعی کوئی علی بن ابراہیم بن ہاشمی۔ علی بن ابیہ قمی شیخ محمد
حسن بن احمد بن ولید شیخ فرات بن ابراہیم۔ ابن دول قمی۔ ابو الفضل سلمہ بن
خطاب۔ محمد بن ابراہیم بن جعفر ابو عبد اللہ کتاب نعمانی محمد بن عباس بن علی بن
مروان معروف بابن کجیا مفسر ہی اور چوتھی صدی کے اشخاص ہیں جنہوں نے
تفسیر قرآن میں کار نمایاں انجام دی ہے۔

دسویں طبقہ میں جو علماء کو متا شیخ محمد بن حسن ثمالی کی کتاب منج البیان
عن کشف معانی القرآن، شیخ مفید کی کتاب البیان فی انواع علوم القرآن،
شیخ محمد بن احمد بن ابراہیم صابونی کی کتاب "معانی تفسیر القرآن"، اس شعبہ میں
خاص درجہ رکھتی ہیں۔

شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی جو عام طور پر شیخ طوسی کے نام سے
پکارے جاتے ہیں، ان کی کتاب تیان فی علوم القرآن، دس جلدوں میں تھی۔

جن میں سے بعض مجلدات عراق امداد پران میں موجود ہیں۔ اور سید صبیح جامع نسخہ بکلا
کی کتاب حقائق المنہل و دقائق الدلیل حقائق علوم قرآن پر ایک گراںمایہ ذخیرہ
ہے جس کا مثل و نظیر موجود نہیں ہے۔ اس کے بھی بعض مجلدات قلمی حیثیت میں
عراق میں موجود ہیں۔

ابو الفتح رازی کی کتاب "روض البجن فی تفسیر القرآن" میں جلد دوم
ہے اور تمام علوم قرآن کی جامع ہے۔ اور ابن، الاسلام، ابو علی طبرسی کی کتاب
"مجمع البیان" مطبوعہ حیثیت سے موجود ہے۔ قطب الدین راوندی کی کتاب
"خلاصۃ التفاسیر" بیس حصوں میں ہے جس کی نسبت علامہ حسین صدر شہر
فرماتے ہیں "من حسن التفاسیر المتأخرۃ عن الشیخ ابی حفص الطوسی"
وہ شیخ طوسی کے بعد کے تفسیروں میں سے ہے۔

سید شمس بھرنی کی کتاب "البرہان فی تفسیر القرآن" اور سید محسن
کاشانی کی تفسیر "صافی" اور اصغر "شیخ فتح اللہ شیرازی کی تفسیر "منہج الصادقین"
اور خلاصۃ الشیخ "مشہور و معروف اور شائع و ذائع ہیں۔

جدا اعلیٰ جنت آب سید تقی صاحب قبلہ کی کتاب "تفسیر نیایح الاوار" بمثل
تفسیر ہے جو اگر تمام ہوگی ہوتی تو علوم و حقائق قرآن کا ایک خزانہ عامہ تھی۔

اور موجودہ زمانہ میں نجف اشرف کے مشہور عالم آقا شیخ جواد بلاغی طاب ثراہ
نے "الارحامین فی تفسیر القرآن" لکھا شروع کی تھی جس میں فقہائے کے ساتھ

موجودہ ضرورت زمانہ اور شکوک و شبہات کا استدلال و نظر رکھتا ہے۔ لیکن
اس کی صرف ایک جلد شائع ہو گئی اور یہ موصوفہ بہا متذلل ہو گیا۔

یہ پیش می خدمات جو قرآن کی لازمی حیثیت سے خلق رکھتے ہیں وہ کسی طرح
سبک نہیں کئے جاسکتے۔ یہ کیا قوت کے لئے نہ کہ حفظ وہ قرآن کی افادہ می
حیثیت میں کوئی دخل نہیں رکھتا۔ اگرچہ اس میں شہروں کی طرف سے کوئی بھی ہول ہو
تو وہ سرزنش کی مستحق نہیں رہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ شیعی فرقہ سے منشا میں بھیجے گئے ہیں، جو دور ماندہ
تاریخ میں ہونے لگا، اور وہ شروع سے ہر دور میں ہندوستان کی ارتشی
جماعت پیدا کرتا رہا جو اکیلی ہفت تب بھی توڑ کے مقصد کو حاصل کر سکتی تھی۔

یہ تھے جو ہر جگہ مل مقصد کے شرع کے تھے، وکر کرنا ہو ضروری
معلوم ہوتا تھا۔

اصل کتاب کا افتتاح

تذکرہ حنفی اہل شیعہ

اس تذکرہ کو پہلے ہم نے ”علم و جان“ کی کتابوں کے طریقہ پر حروف تہجی سے اعتبار سے ترتیب دینا چاہا تھا لیکن غور کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ طریقہ سوائے نام و دھونڈھنے کی سہولت کے اور کسی خاص مقصد پر مبنی نہیں ہے بلکہ اس سے بہتر صورت یہ ہے کہ کتاب کو تاریخی حیثیت سے وقت و زمانہ کے لحاظ سے ترتیب دیا جائے اور ہر دور کے حفاظ ایک ساتھ ترتیب زمانی کا لحاظ کرتے ہوئے درج کیے جائیں۔

پہلی سہولت کے لحاظ سے ایک فہرست آخر میں حروف تہجی کی ترتیب پر شمار کیا جاسکتی ہے جس سے نام و دھونڈھنے میں آسانی ہوگی۔

پہلی صدی ہجری کے حفاظ

(۱)

ابی بن کعب انصاری

کنیت ابو ایشیل اور ابو النضر تھے زبیر بن عتیق کے صحابہ ہیں ممتاز درجہ رکھتے تھے

عقبتہ: یہ میں ساتواں کتاب کی بیعت کی اور شہک بد میں شریک نہیں ہے۔
 بن عبد البر نے مستوفیہ میں لکھا ہے۔

کان احد نفہاء الصحابة
 وافرأهم لکتاب اللہ روی
 عن النبی صلی اللہ علیہ
 وسلم انہ قال اقرأ متنی
 (ابی وروی عنہ) انہ قال
 لا احسن ان اقرأ علیک
 القرآن اذ اعرض علیہ القرآن
 قال للہ سمائی لا قال نعم
 فجعل ابی یبکی۔
 یہ ان صحابہ میں سے ہیں جو فقہ میں مہارت رکھتے
 تھے اور حفظ قرآن میں سب کے بعد فوقیت
 رکھتے تھے جناب ساتواں کتاب اور ساتواں
 کو میری امت میں سب سے بڑا عاقل و ابی ہے
 نیز ساتواں سے روایت ہے کہ آپ نے
 سے فرمایا مجھ کو حکم ہوا ہے کہ میں قرآن مجید کو
 سنایا کروں تا کہ تمہیں یاد ہو) اب اس نے
 عرض کیا کہ خدا نے میرا نام لیا ہے؛ حضرت
 نے فرمایا ہاں یہ منکر ابی نے نہ لگے۔

حضرت عمرؓ کے حفظ قرآن کے بڑے متقدم تھے، استیعاب میں لکھا ہے کہ
 مروی عن عمر بن الخطاب وجہ انہ
 قال افضانا علی وافرأنا
 (ابی)۔
 حضرت عمرؓ سے متعدد طرق سے روایت
 ہو چکی ہے کہ آپ نے کہا ہم میں علم خدا کے
 سب سے بڑے ماہر بنی بن ابی اسد اور ذہبی

سب سے بڑے ابی ہیں۔

مفتی بن حجر رحمۃ اللہ علیہ میں لکھتے ہیں۔

کان عمر بن الخطاب سید المسلمین
 ویقول اقلنا ابی و مرادی
 و اولک عن النبی صلی اللہ
 علیہ و آلہ وسلم ایضاً
 اخرج الامامة احادیث فی
 صحیح احمد و عند مسرقات
 فی السنة من اصحاب ائمتنا
 مروی عنہ من الصحابة
 عمر و کان یسأل عن النوازل
 و یجاکم الی علی العضلات
 ببری نے جوۃ الجہون میں جو حفاظ قرآن کی فہرست لکھی ہے اس میں
 بھی ان کا نام سب سے پہلے ہے۔

من جمع القرآن حفظاً علی عهد رسول اللہ ابی بن کعب
 و معاذ بن جبل و ابو یزید الکافضاری و ابو الدرداء و زید بن
 ثابت و عثمان بن عفان و تمیم الدارمی و عبادۃ بن الصامت
 و ابو الیوف الکافضاری۔

راہ طیبہ و معراج ص ۱۱۱۔

یہ دو لوگ عربوں نے قرآن مجید کو حفظ کیا تھا رسالت کے سامنے۔
 نقیب دیا مصرید محمد علی بیلاری اپنی کتاب التعریف بالنبی والقرآن
 الشریف میں لکھتے ہیں۔

کان عمر بن الخطاب یسأله حضرت عمر مشکل مسائل میں ان سے
 فی النوازل وینجاكم المبعوثا دیانت کرتے تھے اور سخت مضامین
 فی العضلات وكان یسجده میراں سے فیصلہ کرتے تھے اور آپ انھیں
 سید المسلمین و سید القراء سید المسلمین اور سید القراء کے
 نام سے یاد کرتے تھے۔

یہی کتاب میں دوسرے موقع پر (۲) ان کو ایسے حفاظ میں شمار کیا ہے جن کے
 کمال پر تمام صحابہ کا اتفاق تھا۔

ان کا شیعہ ہونا چار سے یہاں بالکل مسلم ہے۔ ابتدائی دور خلافت میں
 وہ آدمی جنہوں نے مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر حق کی آواز کو بلند کیا تھا انہیں
 ابی بن کعب ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔

ابو جعفر محمد بن محمد بن خالد برقی متوفی ۳۴۰ھ کی کتاب الرجال میں ان لوگوں
 کا تذکرہ موجود ہے اور انکی تقریریں بھی درج کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

(سواء المنکوحین علی ابی بکر و ہم اثنا عشر رجلاً مستثناة

من المهاجرين و ستة من الانبياء
 وہ لوگ جنہوں نے خلافت اولیٰ پر اعتراض کیا تھا، بارہ اشخاص میں سے تھے۔
 چھ ہاجرین میں سے اور چھ انصار میں سے؟
 ہاجرین میں سے ابوذر غفاری، سلمان فارسی، خالد بن ولید، سعید بن عامر،
 مقداد بن اسود، ہرید اسلمی، عمار بن یاسر۔

انصار میں سے خزیمہ بن ثابت، رطل بن حنیف، اوسیم ابن تہان، قیس بن
 سعد بن عبادۃ، ابی بن کعب، ابوایوب انصاری۔

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے نماز جمعہ کے بعد سجدہ نبوی کے اندر مسلمانوں کے
 بھرے مجمع میں صورت حال پر احتجاج اور پیغام حق کے فزع کو انجام دیا۔
 ان لوگوں کی تقریر پر اس موقع کی اب تک محفوظ ہیں۔

خدا دیس کی تقریروں کے بعد ابی بن کعب کھڑے ہوئے تھے اور انہوں نے کہا:

اشھد انی سمعت رسول اللہ
 میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ میں نے
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 رسالتاً کو فرماتے ہوئے سنا کہ علی بن
 علی بن ابیطالب اما مکم
 اربطاً بکھڑے امام ہیں میرے بعد اور یہ
 بعدی و هو النبا صم لا متی۔ میری امت کے خالص رہنما ہیں۔

علامہ صدیق محمد بن ابویہ کی کتاب الملیٰ اور علامہ حلی کی کتاب خلاصہ سے
 بھی ان کی جلالت قدر اور رفعت مرتبہ پر روشنی پڑتی ہے۔

علامہ سید عیسیٰ مدنی کی کتاب (الدرجات رفیعہ فی طبقات الشیعہ) میں
 ان کے حالات تفصیل سے مذکور ہیں۔ اس میں ابی بن کعب کی پیردایت بھی درج ہے۔
 مال مہرت عشیۃ یوم السقیفۃ میں سقیفہ کے دن شام کے وقت انصار
 بمحلقۃ الانصارۃ نسکونی کے گروہ میں پہنچا تو انھوں نے پوچھا
 من این محبیک قلت من کہاں سے آ رہے ہو؟ میں نے کہا رسالت اللہ
 عند اہل بیت رسول اللہ کے گھرانے والوں کے پاس سے انھوں نے
 قالوا کیف ترکتم وما حالکم کہا کہ بتاؤ تو ان کا کیا حال ہے اور کس عالم
 قلت وکیف تكون حال قوم میں تم نے ان کو چھوڑا؟ میں نے کہا تم ہی
 کان یتخیم الی البوم صوطی سمجھ لو کیا عالم ہوگا ان لوگوں کا جن کا گھر
 جبوسیل ومنزل رسول وہ تک خبر سیکل کہ فرد گاہ اور رسول کی
 رہب العالمین وقد زال البوم قیام گاہ تھا آج وہ بات جاتی رہی اور
 ذلک وذهب حکمهم عنضم حکومت بھی ان سے نکال لی گئی، یہ کسکراہی
 ثم یکنی ابی وکی الحاضرون دینے لگے اور جتنے لوگ تھے وہ سب بھی دینے لگے۔
 سید نقی علم المدنی نے کتاب فضول مختارہ میں جو ان کے استاد شیخ فہید
 کی کتاب العیون والکھاسن کے انتخاب کی حیثیت رکھتی ہے، لکھا ہے کہ ابی بن
 کعب سجد نبوی میں بلند آواز سے کہتے تھے کہ لا اھلک اھل البعۃ واللہ
 لسا اسی علیھم وانما اسی علی من یصلون من بعدہ لاک ہرے

قرار داد کرنے والے خدا کی قسم مجھے ان پر انسوؤں میں آنا، بلکہ انسوؤں آنا ہے،
 اُن لوگوں کے حال پر جو آئندہ نسلوں میں ان کے ہاتھ سے گمراہ ہو گئے؟
 فضیل یا صاحب رسول اللہ ﷺ سے کہو کہ اہل لعنف و فساد عقیدہ
 دریافت کیا گیا کہ اسے صحابی پیغمبر پر قرار داد کرنے والے کون ہیں اور ان کی
 قرار داد کیا ہے؟

ابن کعب نے کہا،

قوم نقاد را بینہم ان مات رسول اللہ ﷺ العیور ثوا احلہم
 اہل بیت۔ و لا یولوہم مقام۔

”یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے قریدہ داو کر لی تھی اپنے درمیان میں کہ اگر یہ کتاب
 کا انتقال ہو جائے تو اُن کے اہلبیت میں سے کسی کو میراث ملنے نہ دیں گے اور
 نہ اُن کو آپ کی جگہ پر بیٹھنے دیں گے۔“

یہ منظرہ یا کسی اختلافی مسئلہ کی تحقیقات کی کتاب نہیں ہے بلکہ تاریخی و
 علمی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے اپنے معتبر روایات کو تم نے بیان و مقامات
 کے طور پر درج کر دیا۔

سورۃ اعظم کے کتب میں بھی، جیسے اسور کا پتہ چلتا ہے جیسے مذکورہ بالا روایات
 کی تائید ہوتی ہے۔

سورخ ابوالخدا نے صفات صاٹ ان کا نام اُن لوگوں کی فہرست میں

درج کیا ہے جو حضرت ابو بکر کی بیعت سے عہدہ ہو گئے تھے چنانچہ وہ لکھے ہیں۔^{۱۵}

انصار الناس علیہم یا یعونہ خلاصا عنہ من بنی ہاشم
والزبیر وعتبہ بن ابی ہب وخالد بن سعید بن العاصی القناد
بن عمرو وسمان ہارسی وابی ذر وعمار بن یاسر والبواہ بن
عازب وابی بن کعب واولادہم علی بن ابیطالب۔

”وگر آپ کی بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے یہاں کچھ لوگ بنی ہاشم میں سے اور
زبیر اور عتبہ بن ابی ہب و خالد بن سعید بن عاصی و سقاد اور سلمان اور ابوذر
اور عمار و درہم بن عازب و ابی بن کعب ان لوگوں نے علی بن ابیطالب کا ساتھ دیا۔
طبری نے ہم طریقہ سے لکھا ہے کہ

قالت الانصار وبعض الانصار الانبیاء الاعلیاء
”سب نے یا بعض نے انصار میں سے کہا کہ ہم مولائے علی کے کسی کی بیعت
نہیں کریں گے۔“

کمال ابن اثیر میں بھی ایسی ہی الفاظ ہیں۔ ابن ابی الحدید نے مشرح
شیخ ابی غریب میں لکھا ہے۔

ان سلمان و الزبیر و الانصار انما ہوا ہم ان یبايعوا
علیاً علیہ السلام بعد النبی۔

در سلطان زبیر اور انصار کی خواہش تھی کہ وہ رسالت کے بعد حضرت محمدؐ کی بیعت کریں۔

یقیناً ان سب بعض میں ابنا کعب کو خاص درجہ حاصل ہے۔
حافظ شافعی نے قیس بن عبد دسے نقل کیا ہے کہ

بينما انا في المسجد في الصف المتقدم فجدت في رجل من خلفي
حيذا تخافني وقام مقامى فوالله ما عقلت صلوأتى فلما انصرفت
اذ هو ابى بن كعب فقال يا فتى لا سيولك ان هذا عهد من
النبي الى ان نلبي ثم استقبل القبلة فقال هلك اهل
العقد ورسالة الكعبة ثلثا ثم قال والله ما اسي عليهم وكن
اسى على من اصلوا قلت ما تقى باهل العقد قال لا امراء۔

”میں مسجد میں پہلی صف میں نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک شخص نے مجھ کو کھینچ کر اور
مجھے ہٹا کر خود میری جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ جب میں نماز پڑھ چکا تو دیکھا کہ وہ ابی بن
کعب تھے۔ کہنے لگے اے صاحبزادے، تم کو ناگوار نہ ہو کہ میں نے ایسا کیا۔ یہ
رسالت کا عہد ہے کہ یہ جنگ ہمارے لیے مخصوص ہے۔ پھر انھوں نے قبلہ کی
طرف رخ کیا اور تین مرتبہ کہا کہ ہلاک ہوئے قرار داد کرنے والے۔“ پھر کہا۔ بخدا
مجھے ان پر امن میں نہیں آتا بلکہ ان لوگوں پر امنوس آتا ہے جو ان کے ہاتھوں

اگر وہ ہوں گے میں نے کہ نہ رد و کرینے والوں سے آپ کا کیا مقصود ہے انھوں نے
کہا اس کا رد و کر۔

یہ روایت بہت قریب ہے اُس روایت سے جو سید رضی علم ہدی کی کتاب
سے اس کے قبل درج کی گئی تھی۔

ابی بن کعب کا حضرت خلیفہ ثانی کے ساتھ اسکا عمل اور شکل مسائل میں
یہ روایت ہی حیثیت رکھتا ہے جس طرح خود امیر المومنین شکل مسائل میں، مواد
دیا کرتے تھے۔

نماز تراویح کے اہم ہونے سے بھی کوئی عتبہ نہیں نکالا جاسکتا۔ اس لیے کہ
جب تک آپ کے حقیقی بیٹے امیر المومنین کا اسلام کے اجتماعی مفاد کی طرف
سے یہ مسلک تھا کہ نہ ہی اقتادات میں دخلت نہ کی جائے اُس وقت تک
آپ کے متبعین کے لیے بہر حال احکام سلطانی کو تسلیم کرنا ضروری تھا

آپ کے لیے امام کی حیثیت سے نماز پڑھانا نماز نافلہ اور کرنے سے زیادہ
حیثیت نہیں رکھتا۔ تشریع و بدعت کی ذمہ داری ان لوگوں کے احساس
کے قابل ہے جو اہل موم کی حیثیت سے خدا اور کے نافع کو جماعت سے ادا
کرنے کے مرتکب تھے یا ممکن ہے آپ کا خیال اُس وقت ہی ہو کہ اس میں
کوئی مضائقہ نہیں ہے اس لیے کہ یہ کوئی اہم مذہبی مسئلہ نہ تھا بلکہ فروعی
حکم ہے اور ممکن ہے کہ اُس زمانہ میں نظری حیثیت رکھتا ہو۔

آپ کے دو واقعات جو حضرت خلیفہ ثانی کے ساتھ گزرتے ہیں اور ان واقعات سے جو آپ کی طرف سے اکثر کے گئے ہیں، یہ حقیقت ظاہر ہے کہ آپ کی نظر میں کوئی روحانی عظمت اپنے مخاطب کو نہ تھی۔

ملاحظہ ہوں کثر القول کی حسب ذیل روایتیں۔

عن ابی امامۃ ومحمد بن ابراہیم	حضرت عمر کا ایک شخص کی طرف سے گزرتا
التبی قال اخر عمر بن الخطاب	ہوا جو یہ آیت پڑھ رہا تھا والسا بقون
برجل وهو یقرأ والسا بقون	الاولون انہو آپ پڑھ گئے اور فرمایا خدا
الاولون من الھاجرین	اور ہر قراؤ۔ وہ آپ کے پاس آیا آپ نے
والا نصار والذین اتبعوھم	فرمایا انھیں یہ کس نے یاد کرایا ہے اس نے
باحسان فوقف عمر فقل	کہا مجھے بی بن کعب نے یاد کرایا ہے۔ یہ
انصرف فانصرف الرجل فقل	سنگر آپ نے فرمایا کہ جلوا بی بن کعب کے پاس
من اقلک هذا قال افرأینھا	وہ آپ کو لے کر ابی کے پاس آیا آپ نے
ابی بن کعب قال فانطلق الیہ	فرمایا کہ یہ شخص کتنا ہے کہ تم نے اسے یہ
فانطلقنا الیہ فقال یا ابا المنذر	آیت تعلیم کی ہے۔ ابی نے کہا سچ کہتا ہوں
اخبرنی هذا انک اقلتہ	میں نے یہ آیت رسالت آپ کے دہرے سے
ھذا والایۃ قال صدق	سُنی ہے حضرت عمر نے (تجسس) کہا
تلقیتمھا من فی رسول اللہ	تم نے اس کو رسول خدا محمد مصطفیٰ کے

دن عمر انت تلقیتھا من فی
 لحد رسول اللہ قال نعم
 وقی الثالثة قال وهو عضان
 نعم واللہ لقد انزلھا اللہ
 علی حبیبہ رانزلھا حبیبہ
 علی قلب محمد ولم یسأجر
 فیھا الخطاب ولا اب فخرج عمر
 ساعدا یدہ وهو یقول اللہ
 اکبر واللہ اکبر

دہن سے مناس ہے؟ اپنی نے کہا ہاں اور
 تیسری بار پوچھنے پر بڑے غصہ سے کہا
 کہ ہاں خدا کی قسم اس کو خدا نے حبیب پر
 اور حبیب پر نے محمد مصطفیٰ کے قلب پر نازل
 کیا شگ خطاب اور اس کچھ بیٹے سے
 مشورہ نہیں لیا (آنا قصہ ضرور ہو)
 یہ سنکر حضرت عمرواں سے باہر نکلے اس طرح
 کہ دوڑوں ہاتھ اپنے آسان کی طرف
 اٹھائے تھے اور کہتے تھے اللہ اکبر اللہ اکبر

وکنز العمال ص ۱۰۷ دائرة المعارف حیدر آباد ج ۱ ص ۲۸۷

دوسری روایت

عن ابن جریر عن عمر بن دینار
 قال سمعت بکالة التیمی
 قال وحید عمر بن الخطاب
 مصحف فی حجر فلام فی المسجد
 فیہ البقی اولی بالمؤمنین
 من انفسهم وهو ابوہم

حضرت عمر نے مسجد نبوی میں ایک لڑکے
 کے پاس ایک مصحف رکھا، جس میں
 یہ آیت تھی کہ البقی اولی بالمؤمنین
 من انفسهم وهو ابوہم
 آپ نے فرمایا اسے لڑکے اس (ہو ابوہم)
 کے ٹکڑے کو جھین دے اس نے

فَقَالَ احْكُمَا يَا غُلَامَ فَقَالَ
وَاللَّهِ لَا احْكُمَا وَهِيَ فِي مِصْحَفِ
ابْنِ كَعْبٍ فَمَا نَطْلُقُوا إِلَى
ابْنِي فَقَالَ لَهُ ابْنِي شَغَلَنِي الْقِرَاءُ
وَمِثْلُكَ الصَّفَقُ بِالْأَسْوَأِ
(رج لا ص ۱۲۸)

تیسری روایت۔

عَنْ الْحَسَنِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ الْحَطَّابِ
رَدِّ عَلَى ابْنِ كَعْبٍ قِرَاءَةَ
آيَةِ فَقَالَ ابْنِي لَقَدْ سَمِعْتُ
مَنْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنْتَ يُلْحِيكَ
يَا عَمْرُ الصَّفَقُ بِالْبَقِيْعِ فَقَالَ
عَمْرُ صَدَقْتَ۔

چوتھی روایت۔

عَنْ ابْنِ الْأَثَرِ بْنِ الْخَوْلَانِي
لَا ابْنِ كَعْبٍ قَالَ لِعَمْرِو اللَّهِ

کہا یہ نہیں ہو سکتا یا ابی بن کعب کا مصحف ہے
آپ فہمہ بی کے پاس پہنچے اور اس سے
دریافت کیا۔ انھوں نے کہا میں قرآن حفظ
کرنے میں مصروف رہتا تھا اور
تم کو بازاروں میں خرید و فروخت کرنے
سے فرصت نہ تھی۔

حضرت عمر نے ابی بن کعب پر کسی آیت
کی قراءت کے سٹانی اعتراف کیا تو
ابی نے کہا کہ میں نے اس کو رسالہ کتاب
سے خود سنا ہے اور تم کو بیع کے بازار
میں خرید و فروخت سے فرصت نہ تھی
حضرت عمر نے کہا یہ تم صبیح
کہتے ہو۔

ابو ادیس خولانی کا بیان ہے کہ ابی بن کعب
نے حضرت عمر سے کہا خدا کی قسم تم کو معلوم ہی

یا عملناک لتعلم انی کنت
محضہ و تقویون و ادا فی
و تحبون و تصنع فی و تصنع
فی۔

ہوتا تھا (بہت کچھ اہل نے بیان کیا)۔

پانچویں روایت

عن ابن عباس قال بیانا
اقرا آية من كتاب الله
فی سکتہ من سکت المذمۃ
اذ سمعت صوتا من خلفی
اتبع یا ابن عباس من اتبع یا ابن
عباس یعنی اسند فالوقت
فاذا عمر بن الخطاب فقلت
اتبعك علی ابی بن کعب
فقال لمولی (و عبا بن ابی
قتل له انت اقرأته هذی
الایة فانطلقنا الی ابی

کہ میں اس کتاب کی خدمت میں حاضر ہوا تھا
اور تم لوگ موجود نہ تھے۔ اللہ میں افسوس
ہو رہا تھا کہ تم لوگ نہ آتے تھے اور
میرے ساتھ یہ سلوک ہونا تھا یہ سلوک

ابن عباس کا بیان ہے کہ میں مدینہ کی
ایک گلی میں ایک بیت کلام پاک کی طرف
ہو جا رہا تھا، میں نے اپنے پیچھے سے
آواز سنی کہ سنہ جاؤاے ابن عباس
سنہ جاؤ میں مڑا تو میں نے دیکھا کہ
حضرت عمر ہیں۔ میں نے کہا میں آپ کو
ابن کعب کا حوالہ دیتا ہوں، بیشک
آپ نے اپنے ایک غلام سے کہا کہ
جا ابی کے پاس اور ان سے دریافت
کر کہ کیا تم نے ان کو یہ آیت یاد کرائی
ہے۔ ہم ابی کے پاس گئے اسی

فانما لہیاء احباء عمر فاستاذن
 فاذا قد خلا علی ابی وحارثہ
 مدرسہ وادب بجدہ علی نطج لہی
 وسادۃ من اہم فحلیس تلجہ ابی
 مقبل بوجیب علی حائل وظهر
 ابی عمر فالتفت الیہ عمر فقال ما
 یرامہک شیئا ثم اقبل فی علیہ
 برحبہ فقال مرحبا یا امیر منین
 انما اراحت وطالب حاجۃ
 فقال لا بل طالب حاجۃ علام تصط
 الناس یا ابی قال وکانت
 ایتہ فیما شدۃ فقال ابی
 انی تلقت القراء من تلقاء
 من جبریل وصور طلب
 فصفق عمر وقام وهو قیول
 والله ما اخت صفتہ وما انا بجاہل
 والله ما انت بمثلہ وما انا بجاہل
 میں ان کے صواہر پر لکھ بیٹھا کہ
 خود حضرت عمر آگے ابد اندر آئے
 کی اجازت مانگی۔ بی نے اجازت
 دی۔ ہم دو گہ بی کے پاس پہنچے،
 ایسی حالت میں کہ کینیز ان کی ان کے
 سویر گنگھی کر رہی تھی۔ حضرت عمر
 کے لیے ایک چمڑے کا کمر بیٹھے کے
 سے ڈال دیا گیا، آپ اس کے اوپر
 بیٹھ گئے، اور ابی بن کعب ایک
 دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھے تھے سید
 بیٹھے رہے، وہ ان کی پشت حضرت عمر
 کی طرف تھی یہ دیکھ کر حضرت عمر نے رخ
 کیا ہمارے طرف اور کہا دیکھ تو یہ شخص
 (ابی) کہو کچھ سمجھتا ہی نہیں بخوڑی در
 میں ابی بن کعب نے رخ کیا حضرت عمر
 کی طرف اور کہا۔ خوش آمد خاندان سلیمان
 اس وقت کہاں آنا ہوا اور صرف ملاقات

کے لیے یا کوئی حاجت لے کر، حضرت عمرؓ نے کہا نہیں۔ حاجت ہی لے کر آبا ہوں۔ آخر
 لوگوں کو رحمت نمودار ہے (ایس کیوں کرتے ہو؟) بنی نہ کیا جانتا یہ کوئی آیت آپ نے
 سنی ہے جو سخت ہے! معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے قرآن کو حاصل کیا ہے اس شخص
 (رسولؐ) سے کہ جس نے نازقہ، زہ، نس کو جس میں اس سے حاصل کیا تھا، یہ سن کر
 حضرت عمرؓ نے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور کھڑے ہو گئے یہ کہتے ہوئے کہ قسم خدا کی ترکہ کی طرح
 باز نہ آؤ گے اور مجھے کسی طرح تاب نہ آئے گی۔ تم کسی طرح باز نہ آؤ گے اور مجھے کسی طرح
 تاب نہ آئے گی۔

(ان تینوں روایتوں کے لیے بل حفظہ کثیر المال، ج ۱، ص ۳۱۸)
 ان روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپؐ کس قدر صاف گوشتے اور
 حقیقت امر کہے، تمہاری بڑی طاقت سے رغوب ہوتے تھے۔
 آپؐ کی وفات ۱۹ھ میں ہوئی ہے، در سلسلہ مسئلہ کے متعلق بھی بعض
 راویوں کا بیان موجود ہے۔ بہر حال آپؐ کا انتقال قبلت حضرت عمرؓ میں
 ثابت ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ قول یہ ہے کہ آپؐ نے بڑا عیال حضرت عثمان
 ۳۲ھ میں انتقال کیا۔

”اتفاق وغیرہ کی وہ روایت جس میں یہ ہے کہ جب حضرت عثمان کے
 پاس مصاحف کا مقابلہ ہوا تھا تو آپؐ نے اہل بیتین، غافل، کافرین
 اور لامتدبیل لٹکن کے، اتفاق کو اپنی بن کوب کے پاس تحقیق کے لیے بھیجا،

انہوں نے قلم دران منگو کر لکھنے کی فطرت میں ایک لارہ چھیل کر لکھنے کا نیا دیا
اور قلم چھیل کر قلم چھیل بنایا اور لکھنے میں قلم چھیل میں قلم چھیل کر لکھنے
اس خفیہ قول کا مودہ ہے۔

(۲)

مقداد بن عمرو

رسالتِ نبوی کے متذکرہ صحابی تھے۔ جنگ بدر اور تمام اسلامی غزوات میں
رسالتِ نبوی کے چہرہ رکاب تھے۔ ابن مسعود نے ان کا شمار ان سات آدمیوں
میں کیا ہے جنہوں نے پیچھے اسلام ظاہر کیا۔
فریقین کی تفریق روایت ہے رسالتِ نبوی کی حدیث کہ ان اللہ عز
وجل امر فی محبت اربعۃ من اصحابی واخونی اللہ یحبہم قبل
یا رسول اللہ من ہم قال علی والمقداد و سلمان و ابو ذر
ہذا اوند عالم نے مجھے اسور کیا ہے کہ میں اپنے اصحاب میں سے چار
آدمیوں کے ساتھ محبت رکھوں۔ اور مجھے خبر دی گئی ہے کہ خدا ان سے

(۱) اصل روایت کے لیے ملاحظہ ہو تخریج قرآن کی حقیقت ص ۱۲۴

(۲) عام علیہ سے متقداد بن اسود کنزی مشہور ہے اس لیے کہ اسود بن حبیب نے کہا کہ
سب سے پہلے نبی تھا لیکن اصل میں آپ مقداد بن عمرو بن ثعلبہ بن امیہ بن عبد
منذر بن قحطانہ کی ایک شاخ سے ہے ۱۲

محبت بکھا ہے۔ پھر ایک وہ کوٹ میں قریش اور مقداد اور سلمان اور ابو ذر
 علیہ السلام بیٹھے صدقہ رشتی نے اس کتاب (انجیل القرآن) میں تحریر کیا ہے
 تَفَرَّقَ الْمُسْلِمُونَ فِي الْأَمْصَارِ مَسَامِنَ مُخْتَلَفَ طَرَفٍ مِنْ فَرْقٍ بَرَكْتِ
 فَخَذَ أَهْلُ كُلِّ مِصْرٍ مِنْ هَلِ وَدَرِ شَرْكَهِ وَكُلٌّ فِي آتِي مُدَّةٍ حَقَّاقِ
 صَوْنِ نَقِيَّةٍ الْقُرْآنَ فَاهْلُ وَشَقِّ - میں سے کسی ایک قرآن کی تعلیم حاصل
 وَحَصَّ اخَذَ وَاعْنِ الْمَقَادِ کرنا شروع کر دی چنانچہ اہل رشتہ اور جس
 بن الاسود۔ نے مقداد بن اسود سے حاصل کیا۔

اس میں مقداد کے حافظ قرآن ہونے کی تصریح موجود ہے۔
 استیعاب بن عبد البر ^(۱۳) ہے۔

سُورَةُ حَامِدٍ مِنْ سُلْمَةِ عَنْ
 ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ ابْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقْرَأُ
 يَرْفَعُ صَوْتَهُ بِالْقُرْآنِ فَقَالَ
 أَدَابٌ سَمِعَ خَرَفَ صَوْتَهُ فَقَالَ قَرَأَ
 فَظَرَ فَادَّ الْأَوَّلَ الْمَقَادِ بْنِ عَمْرِو
 جناب سائب نے ایک شخص کو قرآن
 پڑھتے سنا جو اپنی آواز قرآن کے ساتھ
 بلند کر رہا تھا حضرت نے فرمایا "اداب"
 "عبادت گزار ہے" وہ سرے کو سنا
 کہ وہ بھی اپنی آواز بلند کر رہا ہے۔
 حضرت نے فرمایا "خوف ظالمی کر رہا ہے"

(۱) استیعاب بر حاشیہ اصباح ج ۳ ص ۲۷۹ (۲) سلوک مصر ص ۳۰

(۳) حاشیہ اصباح ج ۳ ص ۲۷۹

کسی نے جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ پہلے شخص مقدار بن عمرو تھے۔
 قرآن پڑھنے والے لوگ اس زمانہ میں سوائے حافظہ کے کچھ اور نہوتے
 تھے۔ بے شک اس وقت قرآن پورا نازل ہی نہ ہوا تھا تا کہ پورے قرآن کے
 حافظ ہو سکتے۔ لیکن اس کے بعد کہیں ممکن تھی۔ شیعیت کے لیے ان کی کسی
 سند کی ضرورت نہیں ہے۔ دنیا کے روشن حقائق اگر درجے رکھتے ہیں تو یہ
 اول درجہ میں درج ہونے والی حقیقت سمجھی جاسکتی ہے۔

ایمہ معصومین کے تصریحات ان کی جلالست قدر اور ثبات قیام کے اہوار
 میں متواتر ہیں۔

حق کے عبادہ سے، انحراف کی آمد ہی اگر کچھ لوگوں پر یا نکل کا اگر نہ ہوتی
 تھی تو وہ چند ہی تھے جن میں اول نمبر مقدار کا ہے۔ امام محمد باقر فرماتے ہیں۔
 ان اسدات الذی لم یشتد اگر ایسا شخص ہو چھو کہ حیثیت نک نہیں ہوا
 ولحدید خلعہ شیئاً فالعدد اور کسی قسم کا خیال بھی راہ حق سے ہٹے
 کا نہیں ہوا تو وہ مقدار ہیں۔

دوسری روایت میں ہے

ما یقلی خدا لا وقتا جال جولہ کوئی ایسا نہیں رہا جس نے ایک ذرا
 الا المصداقین الا سود اور صراحت کر چکا نہ لگایا ہو سوائے مقدم
 فان قلبہ یکان مثل بن اسود کے کہ ان کا دل ہے کی طرح

زبور الحمد ید۔

مقبوض تھا۔

عام اسلامی مورخین کے تصدیقات سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔
ملاحظہ ہو ابو الفداء کی فہرست جو ابی بن کعب کے تذکرہ میں سند ناظرین
ہوتی۔ ان لوگوں میں جو حضرت ابوبکر کی بیعت سے کنارہ کش ہوئے تھے،
مقداد کا نام بھی موجود ہے اور لکھا ہے کہ انھوں نے علی بن ابیطالب کا
ساتھ دیا تھا۔

ابو حاتم سجستانی کی کتاب لایۃ میں ان اصناف کی تشریح میں جو اہل علم
کے درمیان متداول ہیں لکھا ہے (۱)

ان اول اسم طبری فی الاسلام	سب سے پہلا نام جو رسالت نام ہے
علی محمد رسول اللہ صو	زمانہ میں اسلام میں ظاہر ہوا وہ شیعہ
الشیعة وکان هذا القیاس	یہ لقب تھا چار آدمیوں کا کھاجہ
اربعۃ من الصحابة وھم	میں سے ابوبکر اور سلمان اور مقداد
ابوذر و سلمان (فتاویٰ)	اور عمار صفین کے زمانہ تک رہے
والمقداد بن الاسود و	ان سے مخصوص رہا اس کے بعد

(۱) روایات انجلیات ص ۸۸ میں اس عبارت کو نقل کیا ہے۔

کتاب لایۃ کے متعلق کشف الظنون ج ۲ ص ۲۶۹ میں ہے۔
کتاب النیۃ لابی حاتم سہیل بن محمد السجستانی المتوفی ۳۰۰ھ

عمار بن یاسر لئی اذان صغیر
 فاشحق بن موالی علی بن ابطالب
 علی بن ابطالب کے دوستوں میں
 عام طور سے شائع ہو گیا۔
 ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں سقیفہ بنی ساعدہ کے حالات
 کے ذیل میں ہزار بن عازب کی روایت نقل کی ہے جو طولانی ہے۔ اُس میں
 لکھا ہے کہ براہ راست ہے۔

فمكنت أكامد مافي نفسي
 ورايت في الليل المقداد
 وسمعت واداء عباد
 من الصامت واداء الحديث
 من المتحان وحذيقه وعاد
 وهم يريدون ان يحيدوا
 الامم مشوري من المهاجرين
 میں نے اپنے غم و منفہ کا دن بھر مقابلہ کیا
 اور شب کو مقداد و سلمان و ابو ذر عبادۃ
 ابن صامت و ابو الہیثم بن تہان و خدیجہ
 عمار سے ملاقات ہوئی۔ معلوم ہوا کہ یہ
 لوگ سب روجود بیت سے ناراض ہیں
 چاہتے ہیں کہ یہ معاملہ ہاجرین کی جماعت
 میں پیش ہو اور وہ اُس پر نظر ثانی کریں۔

شیخ ابوالحسن مقدسی نے اپنی تاریخ میں مقداد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے
 کان من جملة مشيعة علي بن ابي طالب : یہ سخیلہ شیعہ ان علی بن ابی طالب کے تھے
 صحیح مسلم میں ہے۔

عن همام بن الحرث أن رجلاً
 ایک شخص حضرت عثمان کی تعریف

(۱) مطبوع مصر ۱۸۷۱ء

جبل یدح عثمان فعملاً مقلاً
 ورجاء علی مکتبہ وکانات
 راجلاً خفاً فجعل یخشونی
 وجهه المخصی فقال لم عثمان
 ما شئت قلت قال ان رسول الله
 قال اذا سألتم المذبحین
 فاحشوا فی وجوههم لتواب
 کرنے لگا حضرت مقلد من رہے تھے
 آپ نے دونوں گھٹنے ٹیک دیے
 اور سرگریز سے اُس کے چہرہ پر پھینکنے
 لگے حضرت عثمان نے کہا میں ایسا کیا
 کرتے ہو؟ آپ نے کہا کہ رسالتاً ہی فرمایا
 ہے جب درجاء تعریف کرنے والوں کو دیکھو
 تو ان کے منہ میں خاک جھونک دو۔
 مدینہ سے یمن میل پر مقام حرون میں جو آپ کی ملاک تھی سلسلہ میں آپ کی
 وفات ہوئی اور آپ کی لاش کو مدینہ میں لا کر وہاں دفن کیا گیا۔

(۳)

عبادۃ بن صامت انصاری

رسالتاً کے بلند مرتبہ صحابی ہیں جنگ بدر اور تمام لڑائیوں میں حضرت
 رسالتاً کے ساتھ حاضر تھے۔ ان کا شمار فقہا صحابہ میں تھا۔ بن حزم نے لکھا ہے
 کہ ان کے فتاویٰ سے ایک جزو کا رسالہ مرتب کیا جاسکتا ہے (۱)
 محمد بن کعب قرظی کا قول ہے کہ جمع القرآن فی زمن النبی خمسۃ

من کلا فضلا۔

۱۔ قرآن مجید کو رسالہ صبیح کے زمانہ میں پہنچاؤ میوں نے انصار میں سے حفظ کیا؟

ان میں عبادہ بن صامت کو بھی نام ہے۔ (۱)

دوسری نے حیوۃ النحر ان میں بھی من جمیع القرآن حفظ علی محمد

رسولہ اللہ ﷺ

۲۔ جن لوگوں نے قرآن کو ازبر حفظ کیا تھا رسالہ صبیح کے زمانے میں ان کی فہرست

میں عبادہ بن صامت کا نام لیا ہے (۲)

عبد بنی نے کتاب القراءۃ میں ایک باب قائم کیا ہے القراءۃ من اصحاب النبی

صلی اللہ علیہ وسلم سے جو لوگ حافظ قرآن تھے۔ ان میں عبادہ بن صامت کا ذکر کیا ہے۔ (۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی اصحاب کس لکھتے ہیں۔

سراوی ابن سعد فی ترجمہ ابن سعد نے ان کے حالات میں محمد بن

من طریق محمد بن کعب القدوسی کعب قرظی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ انھوں نے

انہ من جمیع القرآن فی محمد النبی رسالہ صبیح کے زمانہ میں حفظ قرآن کیا تھا

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخاری نے بھی تاریخ میں اس کو ایک

دکڑا اور ذیل النجاشی فی التاريخ • دوسری سند سے محمد بن کعب سے نقل

۱۔ اسناد علیہ السلام و اتقان مطبوعہ دہلی و ۲۔ حیرۃ الجوان مطبوعہ مصر و ۳۔

دعوت اتقان و ۳۔ ۱ و ۲ و ۳

من وجہ خرم محمد بن کعب
 و زاد مکتب یزید بن ابی
 سفیان الی عمر بن الخطاب
 اصل انعام الی من علمیم
 القرآن و یفقیہم فاسرسل
 مع خاد عبادۃ و بعالیہ
 قاتام عبادۃ بعلستین لعیادۃ
 قصص متعدده مع معاویہ
 و انکاسہ علیہ امیاء و فی
 بعضہا رجوع معاویہ لہ و فی
 بعضہا سگواہ الی عثمان منہ
 تدل علی توثقہ فی دین اللہ و
 قیامہ بالمعروف۔

کیا ہے اور آفا زید وہ لکھا ہے زید بن
 ابی سفیان نے حضرت عمر کو لکھا کہ ابی شام
 کو ایسے شخص کی ضرورت ہے جو ان کو
 قرآن کی تعلیم دے اور فقہی احکام بتائے
 آپ نے عاف بن حبیب اور عبادہ بن مسعود
 اور ابوالدرداء کو شام کی طرف روانہ کیا
 عبادہ نے فلسطین میں قیام کیا عبادہ
 کو معاویہ کے ساتھ بہت واقفیت پیش
 آئے ہیں جن میں آپ نے معاویہ کی بہت سی
 باتوں پر اعتراض کیا اور ان میں سے بعض میں
 معاویہ نے آپ کی بات پر عمل کیا ہے اور
 بعض میں آپ کی شکایت حضرت عثمان سے
 کی ہے جن سے تہ چلتا ہے کہ کس درجہ آپ

مذہب کے حامی میں متقل مزاج اور امر بالمعروف کے فرض کو انجام دینے والے تھے۔
 ان کے تشیع کے متعلق شیخ طوسیؒ اپنی کتاب رجال میں لکھتے ہیں۔
 ممن اقام بالمصبرۃ و کان شیعیا۔ ان کا قیام بصرہ میں تھا اور
 یہ شیعہ تھے۔

علامہ حلی نے خلاصۃ الرجال میں اسنی فظوں کا اعادہ کیا ہے۔ یہاں شیخ
میں نفس بن شامان سے نقل کیا ہے کہ اقد صحت النسب نقیض الادب ہے
الی امین المومنین علیہ السلام۔

”یہ ان لوگوں میں سے تھے جو شروع ہی میں امیر المومنین سے کٹر محض ہو گئے تھے“
ابن ابی الجہد نے شرح بیح، لہذا انہوں نے بڑا عذاب کی روایت میں جن
لوگوں کا ذکر کیا ہے کہ وہ خلافت حضرت ابوبکر سے راہن تھے، اور چاہتے تھے
کہ پھر اس مسئلہ کا جرین کی جمعیت میں پیش کریں۔ ان میں عبادة بن صامت
کا نام بھی ہے۔

ابن عبد رب نے عقد فرید میں بھی لکھا ہے۔

لما قدم عمرو بن العاص علی	جب عمرو بن عاص معاویہ کے پاس گئے
معاذیہ وقام معه فی شاک	اور معاویہ نے اُن کے لیے معسر کا تحفہ
علی بعد ان جعل له مصر	پیش کر دیا اور اس کے بعد وہ درویش
طعمہ قال له ان با رضک	حضرت علی کی مخالفت میں متحد ہو گئے
سر جلالہ شرف واسمہ واللہ	تعمرو عاص نے معاویہ سے کہا کہ آپ کے
ان قام معہ استخویت	ملک میں ایک بڑے درجہ کا شخص ہے
بہ قلوب الناس وهو عبادة	وہ اگر آپ کے ساتھ کھڑا ہو جائے تو

بنی النضر من قریب رسول اللہ
 معاویہ لما آتاه وشہد لہ ینہ
 و بیان عمرو بن العاص فی مجلس
 ینہما فحمد اللہ معاویہ و
 اثنی علیہ و ذکر فضل عبادہ
 و سابقہ و ذکر فضل عثمان
 و ما قالہ و حق عبادہ علی
 الہیام معہ فقال عبادہ قد
 سمعت ما قلت اندریان
 لما جاست بینکما قال نعم
 لفضلک و ما نقصک و شرفک
 قال لا والله ما جاست بینکما
 لذالك و ما کنت لا جلیس
 بینکما فی مکانکما و لکن بینا
 نحن نسیر مع رسول اللہ
 اذ نظر الیکما لتسمیان و انما
 تحتشان فقال لنا اذ اترکنا

تو آپؐ سے قریب سے لوگوں کے
 دوس کو خوب متوجہ کر کیجے گا اور وہ
 عبادہ بن صامت ہیں معاویہ نے عبادہ
 کو بلا بھیجا جب وہ آئے تو معاویہ نے
 اپنے دو نظرو عاص کے درمیان میں اُن کے
 لیے جگہ خالی کی۔ وہ یہاں بیٹھ گئے۔
 معاویہ نے حمد ثنائے النبی کے بعد عبادہ
 کی بڑی تعریفیں کیں اور اُن کے فضل و
 قدر کا تذکرہ کیا پھر حضرت عثمان کی
 فضیلت اور اُن کے قتل کیے جانے کا
 ذکر کیا اور عبادہ کو ترغیب دی کہ وہ
 اُن کے ساتھ کھڑے ہوں عبادہ سب
 سنتے رہے جب معاویہ نے تقریر ختم کی تو
 عبادہ نے کہا تم جلتے ہو میں تم دونوں
 کے درمیان میں کیوں بیٹھ گیا۔ معاویہ
 نے کہا ہاں اپنے فیض و شرف اور
 عظمت کے سبب عبادہ نے کہا نہیں

اجتماعاً فترتوا بلینما فی تحضا
لا یجتمعان علی خیر ابداد
ایک ایک مرتبہ کا وہ قصہ ہے کہ ہم مسلمانوں
کے ساتھ کہیں جا رہے تھے حضرت نے تم دونوں آدمیوں کو دیکھا کہ تم باتیں کرتے

ہوئے جا رہے ہو حضرت ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا جب تم لوگ ان دونوں کو
دیکھو کہ یہ مجتمع ہوئے ہیں تو انہیں متفرق کر دو اس لیے کہ یہ کبھی پھر مجتمع نہیں ہوں گے۔
دیکھو میں تم دونوں آدمیوں کو اس اجتماع سے منع کرتا ہوں۔
حافظ ابن حجر اصحاب میں لکھتے ہیں۔

اوسد ابن عساکر فی ترجمہ
اخبار الہ مع معاویۃ تدل
علی انہ عاشق بعد ولایتہ
معاویۃ الخلفۃ و بذلک
جزم الحلیثم بن عدی و
قیل انہ عاشق الی سنیۃ
خمس و اربعین
ابن عساکر نے ان کے حالات میں انکے
بعض واقعات معاویہ کے ساتھ ایسے
لکھے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ معاویہ
کے خلیفہ ہونے کے زمانہ تک نہ زندہ رہے
اور ہشتم بن عدی نے، سے یقینی طور سے
ثابت کیا ہے اور بعض نے تو کہا ہے کہ
یہ شک ہو کہ زندہ تھے۔

لیکن استیعاب میں یہ ہے کہ عبادہ نے سلسلہ میں مقام ربہ اور بقولے
سبت المقدس میں انتقال کیا۔ آپ کی عمر اس وقت ۷۷ سال کی تھی۔

حذیفہ بن الیمان

حضرت رسولؐ کے بڑے بلند مرتبہ صحابی ہیں۔ رسالتؐ نے ان کو منافقین کے اسامہ بتا دیے تھے جن کو آپؐ ازراہی کیا تھے محفوظ رکھتے تھے، اور اس لیے صاحبِ ستور رسول اللہؐ "رسالتؐ کے رازدار" کہے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے معیار مقرر کر لیا تھا کہ جو شخص صحابہ میں سے اتنا گمراہ ہو کہ اگر حذیفہؓ اُس کی میت میں شریک ہوں تو حضرت عمرؓ بھی جاتے تھے۔ اور اگر حذیفہؓ نہ شریک ہوں تو حضرت عمرؓ سمجھ لیتے تھے کہ وہ منافقین میں سے ہے۔ حضرت عمرؓ کو اس کے متعلق بڑی فکر تھی اور اکثر آپؐ اپنے تعلق دریافت کرتے تھے کہ میں تو منافقین میں سے نہیں ہوں۔ نیز دوسرے صحابہ بھی آپؐ سے دریافت کیا کرتے تھے لیکن آپؐ کا طریقہ یہ تھا کہ کسی کا نام لے کر نہیں بتاتے تھے۔ تعداد کہہ دیتے تھے کہ اب اتنے منافقین زندہ موجود ہیں۔^(۱) عید نے کتاب القراءۃ میں جو فہرست حفاظ صحابہؓ کی لکھی ہے، اُس میں مہاجرین میں سے حذیفہؓ کا بھی نام درج کیا ہے۔^(۲)

(۱) استیعاب بر حاشیہ اصحابہ ج ۱ ص ۲۷۷ (۲) شرح احیاء العلوم ج ۱ ص ۷۷

(۳) اتقان سیوطی مطبوعہ دہلی ص ۱۳۱

بجرا العلوم سید سیدی جلالی طاب ثراہ کے کتاب قوائد و حقائق میں لکھا ہے

لستفاد من بعض الاحیاء
ان لمدرجۃ العلم بالکتاب
الایضا وقد مر فی ان حدیثہ
کان یقول اتقوا الله یا مصلح
الفساد وخذوا طریق من
کان قبلكم فوالله لئن استقمتم
لقد سبقتم سبقا عییدا
والئن تولعوا بمینا و شما لا
لقد ضللتہم ضلالا عییدا۔

یوحن جاورث سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کو
علم الکتاب و قرآن کے علم کا درجہ بتائی اس
تھا۔ اور روایت میں ہے کہ حدیفہ کہہ کرتے
تھے۔ اے حافظان قرآن خدا کا خوف کرو
اور اپنے خیر بڑوں کا راستہ اختیار کرو۔
خدا کی قسم اگر تم سیدھے راستہ پر قائم رہو
تو بڑی کامیابی ہے۔ اور اگر تم ادھر ادھر
ٹرگے تو بہت بڑی گمراہی میں مبتلا
ہو گے۔

ان کے شیعہ کے متعلق ہمارے علماء کے تصریحات۔ درجہ معصومین کے
روایات کثرت سے ہیں۔

برابر بن عازب کی روایت میں جو واقعات سفینہ پر مشتمل ہے ان لوگوں
میں جو بیعت حضرت ابو بکر سے ناراض تھے اور چاہتے تھے کہ مجھ از سر نو اس
مسئلہ پر غور کیا جائے حدیفہ کا نام بھی ہو جو وہ ہے۔

استیعاب میں ان کی روایت درج کی ہے کہ قال قال رسول الله

در ملاحظہ ہوں یہ کتاب حالات مفاد و بن الاسود (۵) ج ۲ مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۵۸ھ۔

عَلَىٰ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُلَاقُوا عَلِيًّا فَخُذُوا مِنْ يَدَيْهِ رِثَاتِ السَّابِقِ
 نَفَرًا يَكُونُ لَكُمْ عِيَالًا فِي حُكُومَتِ سُلَيْمٍ كَيْسَ تَوَدُّهُ صَحِيحٌ وَبِهَئِهِ كَرْنُ وَاسِلِ
 ثَابِتٌ هُوَ

ان کی وفات ۳۳ھ میں امیر المومنینؑ کے ظاہری طور سے تخت خلافت
 پر متمکن ہونے کے ۴۰ روز بعد واقع ہوئی ہے۔

(۵۱)

محمد بن ابی حذیفہ

صحابی در صحابی زادہ تھے۔ ان کے والد ابو حذیفہ بن قیس قرشی بڑے
 پیرانے صحابیوں میں سے تھے، وہ یہ خود جناب سائب کے زمانہ میں نبی جیشہ
 میں متوہد ہوئے تھے۔ واقعہ یہ ہے ان کا تذکرہ کیا ہے ایسے صحابہ کی فہرست
 میں جن کی کیفیت ابوالقاسم اور ام محمد تھا۔

ابو حذیفہ جنگ یمامہ میں قتل ہوئے حضرت عثمان نے ان کے بیٹے
 محمد کو اپنی تربیت میں لے لیا اور اولاؤ کی طرح پرورش کی۔ مگر محمد بن ابی حذیفہ
 نے بڑے ہو کر حضرت عثمان سے جدائی اختیار کی، اور آپ کے خلیفہ ہونے
 کے بعد آپ کی اجازت سے مصر چلے گئے اور وہاں آپ کے متقابلہ میں علم مخالفت
 بلند کیا۔

رجب سنۃ خمس و ثمانین و
 استیاب عقیقۃ بن عامر دنی
 شعیبۃ ابن مسک و ثقب مجین
 بن ابی حذیفۃ علی عقیقۃ
 فخر جہ من مصرہ ذلک
 فی شوال و دعا الی خلافت
 عثمان و اسعر السیاد و حرص
 الکت من علی عثمان — — —
 حمیز ابن ابی حذیفۃ القدم
 الذین ناسروا علی عثمان و
 حاصروہ الی ان کان من
 قتله ما کان۔

اور عقیقہ بن عامر یا ابن الکک کو اپنا
 نام منظم بنایا۔ محمد بن ابی حذیفہ نے عقیقہ
 پر پردہ کش کر دی اور اسے مصر سے نکال دیا۔
 یہ سواں سنہ ۳۵ کا واقعہ ہے اور لوگوں کو
 حضرت عثمان کے تخت سے ناز دینے کی
 دعوت دی اور تمام ملک میں آگ لگا دی
 اور لوگوں کو حضرت عثمان کے خلاف
 آمادہ کر دیا۔ پھر محمد بن ابی حذیفہ
 نے روئے جمع کی جس نے حضرت
 عثمان کا محاصرہ کیا۔ اور آخر میں انہیں
 قتل کر ڈالا۔

وہ لوگ جو حضرت عثمان (جامع قرآن) سے اختلاف کر حافظ قرآن نہ ہو سکتے
 کا سبب قرار دیتے ہیں انہیں یہ واقعات غور سے دیکھنا چاہئیں۔
 کیا اس امر میں کوئی شبہ ہو سکتا ہے کہ محمد بن ابی حذیفہ جامع قرآن
 حضرت عثمان کے تخت دشمن تھے اور ان کے قتل کے ذمہ دار۔ لیکن ان کے
 ساتھ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔

سروی بھی المجانی قال حدثنا
شریک عن منصور قال
قلت لابیہ حماد بن علقمہ
صفین قال نعم وخصب سیفہ
اس کے بعد لکھا ہے۔

وكان علقمة فقيهما في دينه
قاسميا لكتاب الله عالما
بالفرائض شجاعا صفين
واصلبت احدى رجليه
فصرح منها -
بیت خوش ہوئے تھے۔

بحال شیخ طوسی اور علامہ رجال علامہ حلی سے نقل ہوا ہے کہ ایسی
جنگ صفین میں شہید بھی ہوئے ہیں۔

(۷)

ابو ایوب انصاری

اصل نام خالد بن ولید ہے۔ بعد از احد اور خندق تیرہ گزڑائیوں میں جناب

دن کی تقریریں دن کی یادگار اور پر جوش حسب ذیل تھی۔

اَقْتُوا اللَّهَ عِبَادَ اللَّهِ سَمِعَ

خدا سے ڈرو اے خدا کے بندو اپنے نبی

اهل بیت نبیکم و سادوا الیہم

کے اہلیت کے بارے میں اور راہیں کرو

حقہم الذی جعلہ اللہ

ان کی طرف ان کے حق کو جو خدا نے ان کے

لحم نفید سمعتم مثل ما

لیقرا و ذابے کیونکہ یقیناً تم نے بھی سنا

سمع اخواننا فی مقام بعد

ہے وہ سب کچھ جو ہم لوگوں نے سنا ہے

مقام لبینا و مجلس بعد

مختلف مقامات پر اور بار بار سنا

مجلس یقول اهل بیتی

سے کہ حضرت فرماتے تھے میرے

اثمتکم بعدی ویوحی الی علی

اہلیت میرے بعد تھا ہے امام ہیں اور

ویقول هذا امیر المؤمنین

اکثر آپ علی بن ابیطالب کی طرف اشارہ

وقاتل الکفرة محذول من

فرماتے تھے اے کفر کہتے تھے کہ یہ امیر مومنین

خذلہ منصور من نصرة

اور قاتل کافرین ہیں و خدا کی نصرت

فتویا الی اللہ من ظلمکم

سے محروم ہے وہ جو انھیں چھوڑ دے

ان اللہ قاتل رحیم ولا تزلوا

اور خدا کی نصرت سے محضوس ہے وہ

عنہ مدبرین ولا تتولوا

جو ان کی نصرت کرے خدا تم سب لوگ

عنہ معز جنین۔

توبہ کرو اپنے ظلم سے۔ خدا توبہ قبول

کرے تو اللہ ہے اور تم اعراض روگردانی کرتے ہوئے حق کے راستہ سے منحرف نہ ہو۔

استیجاب نہیں ہے۔

قال ابن الکلبی وابن اسحق
شعبد ابو ایوب مع علی
رضی اللہ عنہ اجمل وصفین
وکان علی مقدّمہ یوم
الخصدان . . .

ابن ہشام اور ابن اسحق دونوں اور
کابین ہے کہ ابو ایوب حضرت علیؓ کیساتھ
جل لد صفین کی لڑائی میں شریک ہوئے
تھے اور نہروان کے دین تو آپؓ بقدرہ بخش
دہرا دل شکر بنائے گئے تھے۔

دوسرے مقام پر لکھا ہے

کان ابو ایوب الانصار مع
مع علی رضی اللہ عنہ فی
حروبہ کلھا۔

ابو ایوب انصاری حضرت علیؓ کے
ساتھ تھے۔ آپؓ کی تمام لڑائیوں
میں۔

جن روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپؓ جل و صفین میں شریک نہ ہوئے تھے
ان میں بھی یہ وجہ لکھی ہے کہ حضرت علیؓ جب کہ وہ جانے لگے ہیں تو آپؓ نے خود
ابو ایوب کو بطور اپنے قائم مقام کے مدینہ میں بھیج دیا تھا۔ اس لیے یہ مدینہ میں
رہ گئے اور جل و صفین میں شریک نہ ہو سکے لیکن اس کے بعد آپؓ جنگ نہروان
کے پہلے ہی امیر المؤمنین کی خدمت میں مغرباً پہنچے اور جنگ نہروان میں
پر جوش طریقہ پر شریک ہوئے (۲)

(۱) مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ اصحابیہ جلد (۲) اصحابیہ ج ۱ صفحہ ۱۲۵

کفار کے ساتھ جنگ کرنے کا آپ کو خاص شوق تھا۔ یہاں تک کہ اس
سلسلہ میں یزید بن معاویہ کی سپہ سالاری میں جنگ کرنے تک سے پہلے گریز
نہیں کیا۔ آپ کا اجتہادی خیال یہ تھا کہ کفار سے جہاد میں اگرچہ فاسق و فاجر
اشخاص کی اسحتی میں ہوسچی نیت سے شریک ہونا مذہب کی نصرت ہے اسلئے
رحم کی جنگ میں جو معاویہ کے حکم سے یزید کی اسحتی میں فواج روانہ کی گئی تھیں
ان میں بوایلاب انصاری بھی موجود تھے اور یہاں طغیانیہ میں شہید ہوئے۔

(۸)

یثیم ثمار

حافظ ابن حجر نے ان کا پورا نام یثیم بن یحییٰ ثمار اسدی لکھا ہے اور شیخ
طاب ثراہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ یثیم ثمار قبیلہ بنی اسد کی ایک عورت کے
غلام تھے حضرت امیر نے ان کو خرید لیا اور آزاد کر دیا۔ حضرت نے ان سے دریافت
کیا، تمھارا نام کیا ہے، انھوں نے کہا سالم۔ حضرت نے فرمایا مجھے رسالت کا
نے بتلایا ہے کہ تمھارا اصل نام یثیم ہے۔ یثیم نے عرض کی ”بے شک میرا اصل
نام یثیم ہی تھا۔“ حضرت نے فرمایا تو پھر تم ہی نام رکھو جو تمھارا نام رسالت کا
رکھا ہے۔ (۱)

کشتی کی روایت سے جو حسب ذیل ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حادثہ قرآن مجید
 عن حمزة بن مسلم قال خرج
 ابی الی العمرة فحدثنی قال
 استأذنت علی ام سلمة فضربت
 بیتی ولبیھا خدلا فقالت
 لی انت مسلم فقلت انا مسلم
 فقالت کثیرا ما رأیت الحسین
 بن علی یدکرک قلت فاین
 هو قالت خرج فی غم لہ انھا
 قلت انا والله اکثر ذکر فاقترع
 السلام فانی مبادر فقلت
 یا جارية اخرجی فادھنیہ
 فخرجت فدھنت لھتی بیان
 فقلت انا والله لن دھنتھا
 لخصین فیکم بالدماء فخرجنا
 فاذا ابن عباس جالس

عمرہ بن مسلم کی روایت ہے کہ میرے
 دارِ عمرہ کی غرض سے کہ معطل گئے تھے۔
 انھوں نے (روا میں آکر) مجھ سے (وائفا
 سفر ذیل میں) بیان کیا کہ میں حضرت
 ام سلمہ کے یہاں گیا۔ انھوں نے پردہ
 ڈال کر مجھے بلایا اور کہا تم بیٹم ہو، میں نے
 کہا جی ہاں میں بیٹم ہوں۔ انھوں نے
 فرمایا کہ حسین بن علی اکثر تمھارا ذکر کیا
 کرتے ہیں۔ میں نے کہا اچھا تو اس وقت
 وہ کہاں ہیں۔ فرمایا اپنے کچھ گوسفندوں
 کی فکر میں بھی گئے ہیں۔ میں نے کہا میں بھی
 حضرت کو بہت یاد کرتا رہتا تھا۔ اچھا! آپ
 پیرا سلام عرض کر دیجئے گا مجھے جلدی
 ہے اس لیے ٹھہر نہیں سکتا۔ حضرت ام سلمہ
 نے اپنی ایک کثیر سے فرمایا کہ جا بیٹم کے

فقلت یا ابن عباس مصلی
ما شئت من نفسی ان تقرأ
فاتی قرأت تدریجاً علی
اصول المومنین و علمتی تأدیله
خوشبو لگا دے۔ وہ باہر آئی اور مجھے خوشبو دلا
تیس دیر جبکہ میں نے اپنا دُرّی میں
لگا لیا اور کہا کہ اس وقت اس دُرّی
کو میں تیل سے خوشبودار کروں گا ہوں اور
غریب یہ آپ راہبیت رسولؐ کی محبت میں خون سے رنگین ہو گئی بھڑپ میں ہمارے
باہر نکلا تو ابن عباس بیٹھے ہوئے مل گئے۔ میں نے کہا اے ابن عباس مجھ سے جو کچھ چاہو
تفسیر قرآن کے متعلق دریافت کرو۔ اس لیے کہ میں نے اُس کی تفسیر کو امیر مہینین
سے حفظ کیا ہے اور انہوں نے بھی حضرت نے خود مجھے تعلیم فرمائی ہے۔

میںم کو عبد اللہ بن زیاد نے اُس زمانہ میں قتل کیا ہے جب وہ حضرت مسلم
بن عقیل کے درود کو فذ کے بعد بصرہ سے کوفہ کا حاکم مقرر ہو کر آیا ہے۔
اصحاب میں ہے کان ذلک قبل مقدم الحسین العراق اجترأ یا
یہ اہم حسین کے عراق پہنچنے سے دس دن قبل کا ذکر ہے۔
اس کے معنی یہ ہیں کہ میںم ذی الحجہ سنہ ۴۰ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے ہیں
حافظ ابن مندہ کی روایت ہے۔

من طریق الحرث بن حصیدہ
حدثنی محمد بن حمید الازرقی
محمد بن حمید ازرقی کا بیان ہے کہ میںم
موقع پر موجود تھا جب میںم کا بن زیاد

قال انی لما صدقتا حین
 اخبر به ابن ذبیاد قطع یدیه
 ورجلیہ مقال سلونی
 احد نکھ فان خلیلی اخبرنی
 انه سيقطع لسانی فما کان
 الا وشیک الحسی خرح بشرطی
 فقطع لسانہ۔
 زبان بھی شتم کی قطع کر دی۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں ان قولہ فی حدیث الترمذی خلیلی یرواہ
 علی بن ابی طالب۔

”اس روایت میں جو ”میرے دوست“ کی لفظ ہے اس سے مراد علی بن
 ابی طالب ہیں۔“

(۹)

بریر بن خضیر مدنی

عارف سے مستغنی اور تعریف سے بے نیاز شہدائے کربلا کی ایک

متنازق و اور سید شہداء حسین بن علی کے جانباز رہ سکتی تھے۔
 ”البصار العین فی انصار الحسن“ ان میں ہے۔

کمان پر یو مشیخا تا بجیا ناسکا	برہمن رسیدہ تابعی عبادت گزار
قارئین القرآن من شیوخ العلماء	حافظ قرآن بڑے حفاظ اور اساتذہ
ومن اصحاب امیر المؤمنین	میں درخشاں اور امیر المؤمنین کے
علیہ السلام وکان من	اصحاب میں محسوب تھے کوفہ کے
اشراف اهل الکوفۃ من	رہنے والے ہمدانی قبیلہ کے اشرف
الھمدانیین وهو حال	میں سے تھے، اور ابواسحق ہمدانی
ابی اسحق الھمدانی السبعی۔	سبعی کے ناموں تھے۔

رجال کشی میں ہے، برہمن خصمیر الھمدانی وکان یقال
 له مسیدہ القرآن۔

”ان کا خطاب سید القرآن (حفاظ کے سرور) تھا۔“

حافظ محمد بن جریر طبری کربلا کے واقعہ اور روز عاشور کے حالات
 میں لکھتے ہیں۔

خرج یزید بن معقل من . یزید بن معقل — فوج عمر سعد

(۱) مطبوعہ نجف اشرف (عراق) ۱۸۸۵ (۲) ان کا تذکرہ اسی کتاب میں

بمسلسلہ حفاظ آئے گا۔ (۳) مطبوعہ بیروت ۱۳۴۸

بنی عمیرہ بن ربیعہ وھو
 حلیف للبنی سلیمۃ من
 عبد القیس فقال یا بریر
 بن خضیر کیف تری اللہ
 صنع بک قال صنع اللہ
 واللہ بنی خیرا وصنع اللہ
 بک شرا قال کذبت قبل
 الیوم ما کنت کذا اباہل
 تذکروا اما شیک فی
 بنی لوزان وانت فتقول
 ان عثمان بن عفان کان
 علی نفسه مسرفا وانت
 معاویہ بن ابی سفیان
 صلاتی مضی وان امام اللہ
 والحق علی بن ابیطالب
 فقال لہ بریر اشھد ان هذا
 رابی وقولی فقال لہ یزید

باہر نکلا۔ اور بریر کو بکار کر کہا کہ
 دیکھتے ہو خدا نے تم سے کیا سلوک کیا؟
 بریر نے کہا خدا نے میرے ساتھ وہاں
 ہی سلوک کیا۔ ہاں بے شک تیرے
 ساتھ بڑا سلوک کیا۔ اس نے کہا تم
 جھوٹ کہتے ہو حالانکہ آج کے قبل ہمیشہ
 تم سچ ہی بولا کیے۔ اچھا تمہیں یاد ہے
 کہ ایک دفعہ ہم اور تم بنی لوزان کے
 قید میں ایک ساتھ جا رہے تھے۔
 اور تم کہہ رہے تھے کہ عثمان بن
 عفان اپنے نفس پر ظلم کر رہا ہے
 تھے اور معاویہ گمراہ اور گمراہ کشہ
 ہے اور سچے امام و رہنما علی بن
 ابیطالب ہیں۔ بریر نے کہا بیشک
 میں گواہی دیتا ہوں کہ جو میری
 راہ ہے اور میرا قول ہے۔ یزید
 بن مقل نے کہا اچھا تو میں گواہی

بن معقل قانی (سمعتك انك
 من الضالين فقال له يزيد
 بن خصيف وصل لك ان
 ابا هلك ولن يدع الله ان
 يلعن الكاذب وان يقتل
 المبطل ثم اخرج فلا بارك
 قال فخرجوا قسما ايدى بعضا
 الى الله يدعون انما يلعن
 الكاذب وان يقتل المحق
 المبطل ثم بوز كل واحد منهما
 لصاحبه فاختلعا ضربت
 ضرب يزيد بن معقل ويزيد
 بن خصيف ضربة خفيفة
 لم تضرب شيئا وضرب يزيد
 بن خصيف ضربة قد تلت الغض
 وبلغت الدم ملغ فخرج مكاثما
 هو من خائف

دیا ہیں کہ تم گمراہ ہو پریر نہ کہ کیا
 تم اس پر تیار ہو کہ میں تمہارے ساتھ
 چاہوں کروں اور ہم دونوں آدمی خدا
 سے دعا کریں کہ جو جھوٹا ہو اس پر وہ
 لعنت کرے۔ ورنہ باطل پر ہونے والے
 کو قتل کر لے اسکے بعد میں تم سے
 جنگ کروں (یزید اس پر تیار ہو گیا)
 دونوں آدمی میدان میں آگئے پہلے
 ہاتھ اٹھا کر خدا سے دعا کی کہ وہ جھوٹے
 پر لعنت کرے اور جو حق پر ہوا اسکے
 ہاتھ سے باطل پرست کو قتل کر لے
 اسکے بعد جنگ شروع کی۔ دونوں
 کی آمدورفت ہوئی یزید نے تلوار لگائی
 جو بریر را دھچی پڑی اور کوئی نقصان
 نہ پہنچا سکی اسکے بعد بریر نے ضرب
 لگائی جو معفر کو کاٹتی ہوئی داغ
 میں اتر گئی اور وہ اس طرح گرا کہ

معلوم ہوتا تھا ہار سے نیچے آگئی۔

مبارہ ختم ہو گیا اور حق و باطل کا فیصلہ ہو چکا۔ اس کے بعد رضی بن
سعد بن عبدی نے حملہ کیا، اور بربریت باعتقاد بنی میں مصروف ہو گیا جس کے
نتیجہ میں بربر اس کے سینہ پر سوار نظر آئے۔ اس نے پکار کر کہا "کہاں ہیں
ہمدان جنگ، کہاں ہیں میرے مزدگار؟" جس کو سن کر کعب بن جابر بن
عمر داندی نے بربر پر حملہ کیا۔ رومی شہر ضعیف بن زہیر بن ابی الاحسن
کا بیان ہے کہ میں نے کہا ان ہذا ابیرین خضیر القامری الذی
کان یقہنا القرآن فی المسجد۔

یہ تو بربر بن خضیر حافظ قرآن ہیں جو کہ قرآن مسجد میں حفظ کر آیا کرتے تھے،
کعب نے بربر پر حملہ کیا اور قتل کر ڈالا جب وہ واقعہ کر بلا کے بعد کو فہ
واپس ہوا اور اپنے گھر گیا تو اس کی بیوی یاہن زوار بنت جابر نے کہا۔

(اعت علی ابن فاطمہ وقتل سید القرآن لعدائتہ

عظیما من الامراء اللہ لا اکلاک من راسی کلمۃ ابد)

وہ تو نے فاطمہ ہر کے فرزند کے خلاف جنگ کی اور سید الحفاظ کو
قتل کیا۔ تو نے بڑا غضب ڈھایا میں خدا کی قسم تجھ سے ٹکڑے ہر بات نہیں کہوں گی
یہ واقعہ ار محرم سال ۱۱۰ کا ہے جس دن حسین بن علی اپنے بہتر اصحاب

اقربار کے ساتھ کر بلا کی زمین پر شہید ہوئے تھے۔

(۱۰)

خطۃ بن اسعد شہابی

شہاب قبیلہ ہمدان کی ایک شیعہ تھی جسکی طرف ان کی نسبت ہے۔
یہ بھی شہداء کے کر بلا اور انصار حضرت سید الشہداء کی ایک فرد تھے
الانصار النین فی انصار الحسینؑ ہیں۔

کان خطۃ بن اسعد الشہابی خطۃ بن اسعد شہابی شہاب کی ایک
وجہ من وجوہ الشہید۔ نوایاں فرد، خوش تقریر اور فصیح البیان

ذالسن و مصاحفہ شجاعا قارئا بہادر اور عارف قرآن تھے۔
ان کا قیام کوفہ میں تھا۔ کربلا میں امام حسینؑ کے ساتھ آکر شریک ہوئے
گفتگوئے صلح کے دوران میں اکثر انہی کو عمر بن سعد کے پاس نامہ و پیام کے
ساتھ بھیجا گیا ہے۔ روز عاشورا امام کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور
اذن طلب کیا پھر آگے بڑھے اور پکار پکار کر کہنے لگے۔

یا قوم اتی اخاف علیکم مثل لے میری قوم کے لوگو مجھے تمھارے

یوم الاجذاب مثل داب متعلق خون ہے اشدن کا جو بہت سی

قوم نوح و عاذ و مود و الذین قوموں کو نصیب ہوا جو قوم نوح اور عاذ

من بعدہم وما اللہ یزید
 ظلما للعباد یا قوم انی اخاف
 علیکم یوم التناذیر یوم تولد
 مدبرین ما لکم من اللہ من
 عاصم ومن یضلل اللہ فمالہ
 من ھاد یا قوم لا تقستوا
 حسینا فلیستکم اللہ بعذاب
 وقد خاب من افترى
 اور خود اور ان کے بعد والوں کا انجام
 ہوا اور خدا بندوں پر ظلم نہیں کرنا
 چاہتا رہے گا جو کچھ ہوتا ہے ان کے کرتوتوں
 کا نتیجہ ہے اے میری قوم مجھے تمھارے
 مستحق اندیشہ ہے قیامت کے دن کا
 جس دن تم پست پھرائے ہوئے ہو گے۔
 (اس نیا سے) اور تمھارا کوئی بچانے والا
 خدا کے عذاب سے نہ ہوگا۔ اور جسکی ہدایت
 سے خدا تمھارا ٹھکانہ اس کی کوئی ہدایت کرنے والا نہیں ہے۔ اے قوم حسین کو
 قتل نہ کرو نہیں تو خدا تم پر عذاب نازل کرے گا اور جھوٹ گننے والے کا انجام ناکامی ہے
 امام حسین نے فرمایا "اے ابولسعود یہ لوگ عذاب کے مستحق تو اسی وقت
 ہو گئے جب انھوں نے شروع میں حق کو قبول نہ کیا اور تم لوگوں پر فوج کشی
 کی، اور اب کیا ہے؟ اب تو یہ تمھارے بہت سے نیک ساتھیوں کو قتل
 بھی کر چکے ہیں۔"

منظومہ نے عرض کیا: حمدت جعلت فداک املانہ روح الی

سربنا و تلحق باخواننا۔

(اور) دیکھئے مطلوبہ منجبت۔

بہرح فرمایا حضور نے میں آپ پر شمار۔ اچھا تو پھر ہم بھی نہ جابیں ہے
 خدا کی طرف راہ را اپنے بھائیوں سے ملحق ہوں؟
 حضرت نے فرمایا جاؤ دنیا و آخرت کی نیکی اور ایسی سلطنت کی طرف
 جس کو زوال نہیں ہے۔
 حنظلہ نے سلام رخصت کیا اور آگے بڑھے، لڑے اور شہید ہو گئے۔
 یہ بھی، اور محرم سالہ کا تذکرہ ہے۔
 (۱۱)۔

عبدالرحمن بن عبداللہ انصاری

امیر المؤمنین کے مخلص شیعہ اور صاحب کتاب کی صحبت کے شرف کو حاصل
 کیے ہوئے تھے۔ حافظ ابن عقیلہ کی روایت میں اس موقع پر جب امیر المؤمنین
 نے رجب میں حدیث غدیر خم کے اوپر گواہی چاہی تھی تو جو دس بارہ آدمی کھڑے
 ہوئے تھے ان میں عبدالرحمن بن عبداللہ انصاری کا بھی نام ہے۔
 ابن اثیر حنفی کی کتاب البدایہ میں متعدد مقامات پر یہ روایت درج کی ہے
 ان تمام اشخاص کے اسرار جو روایت میں مذکور ہیں حسب ذیل ہیں۔
 ابو ایوب انصاری، ابو عمر بن عمرو بن محسن، ابو زینب بھل بن حنیف

خرمہ بن ثابت، عبداللہ بن ثابت انصاری حبشی بن قتادہ سلولی، عبید بن
عازب انصاری، نعمان بن محمدان انصاری، ثابت بن ودیعہ انصاری،
ابو قتالہ انصاری، عبدالرحمن بن عبدالرب انصاری،
ان سب سے متفقہ الفاظ میں کہا تھا۔

شہد ابنا سمعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
يقول الا ان الله عند حق ولي واتولى المؤمنين الا فمكنت
مولا فمكتى مولا اللهم وال من والاه وعاد من عاداه واحب
من احبه والبغض من ابغضه والبغض من ابغضه۔

”ہم سب گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے رسالتناک کو فرماتے ہوئے سنا کہ
خدا میرا حاکم ہے، وہ میں ہونین کا حاکم تو جس شخص کا مولیٰ میں ہوں اسکے
مولیٰ علی بھی ہیں۔ خدا تو دوست رکھو اس کو جو علی کو دوست رکھے اور
دشمن رکھو اس کو جو علی کو دشمن رکھے۔ مدد کر اسکی جو علی کی مدد کرے (۱)
”ابصارا عین فی انصارا احسین“ (۲) میں ہے۔

کان علی بن ابیطالب علیہ السلام هو الذی علم عبدالرحمن
هذا القرآن ورتاہ۔

”علی بن ابیطالب نے خود عبدالرحمن کی تربیت کی تھی اور ان کو

۱) اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۸۲ (۲) ص ۲۸۲ مطبوعہ نجف۔

قرآن مجید کی تعلیم دی تھی۔

عبدالرحمن بن عبد رب بھی شہید کر بلا میں سے ہیں۔ اہم کیسا تھا کہ معظمہ سے آئے تھے اور پہلے حملہ میں جو جنگ مندرجہ کی صورت سے تھا شہید ہوئے۔ ابن شہر آشوب نے لکھا ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ تنہا جنگ کر کے شہید ہوئے ہیں۔

طبری نے بھی واقعہ کر بلا کے سلسلہ میں ان کا تذکرہ کیا ہے (۱)

(۱۲)

کنانہ بن عقیق تغلبی

ابصار العین میں ہے۔

کان کنانہ وطلحات من البطلان
الکوفة وعاہد امن عباده
وقاسرنا من قرا آتھا حبا
الحل الحسین فی الطلقت وقل
بلین بدیدہ
کن نہ کوثر کے ہمدردوں میں سے
ایک ہمدرد اور عباد اور حفاظ قرآن
میں سے تھے، اہم حسین کی خدمت
میں کر بلا میں حاضر ہوئے اور آپ کے
سامنے شہید ہوئے۔

(۱۳)

نافع بن ہلال حمصی^(۱)

یہ بھی شہدائے کربلا میں سے تھے۔ بھارت میں^(۲) تھے۔

کان نافع مستبد اشتریفنا
سرگیا شجاعتا وکان قاسماً
اکتاباً من جملة الحمد بیث
من اصحاب اصیو المومنین
و حضر مع حر وید الثالث فی
العراق۔

نافع اپنے قبیلہ کے سردار بزرگ تھے
ہمدان اور حافظ قرآن افشار پرواز
حامل حدیث اصحاب امیر المومنین میں
سے محسوب تھے۔ رجل مصنف ہمدان
قبول لکھنؤ میں امیر المومنین
کے ہمراہ رکاب تھے۔

روزگار شور نافع بن ہلال نے اپنے تیروں کے سونہار پر اپنا نام لکھ دیا
تھا۔ تیر زہر میں بچھائے ہوئے تھے۔ اور وہ ان تیروں کو مارے جاتے
تھے اور کہتے جاتے تھے۔

انا الحمصی انا علی ابن علی

”میں حمصی (قبیلہ حمل کا آدمی) ہوں۔ میں علی بن ابیطالب کے دین پر ہیں“

(۱) نسبت ہے جن بن سعد العشیرۃ ابن مذحج کی طرف اور اسی لیے بنی جن
ایک شاخ کی حیثیت رکھتے تھے قبیلہ مذحج میں سے (۲) ص ۸۵

بارہ آدمی فوج عمر بن سعد میں سے قتل کیے، اور بہت سے لوگ زخمی ہوئے۔ اس کے بعد ان پر حملہ ہوا، اور اتنی جنگ ہوئی کہ ان کے بازو ٹوٹ گئے اور انھیں گرفتار کر لیا گیا۔

شمر انھیں کشاں کشاں عمر بن سعد کے پاس لے گیا۔ عمر بن سعد نے کہا، "نافع یہ تم نے کیا کیا اور اپنے تئیں کس مصیبت میں مبتلا کیا۔" نافع نے کہا یہ تو خدا جانتا ہے کہ میری نیت کیا تھی؟ بہر حال شکر ہے کہ میں نے بارہ آدمی تم میں سے قتل کیے اور جو زخمی ہوئے وہ ان کے علاوہ ہیں۔ اور اگر میرے بازوؤں میں دم اور کلائیوں میں مسکت رہتی تو تم مجھے اس طرح گرفتار نہ کر سکتے۔

نافع یہ کہہ رہے تھے اور خون بہ کے ان کی ڈاڑھی کو تر کر رہا تھا۔ عمر سعد نے شمر کو حکم دیا کہ انھیں قتل کرے۔ شمر نے تلوار کھینچی۔ نافع نے شکر خدا ادا کیا۔ کہا "اگر تو مسلمان ہوتا تو کبھی یہ گوارا نہ کرتا کہ ہمارا خون اپنے سر پر لے۔ شکر ہے خدا کا کہ ہماری موت بدترین خلق لوگوں کے ہاتھ سے قرار دی۔" شمر نے تلوار مار دی اور نافع شہید ہو گئے۔ (۱۱)

(۱۴)

واضح ترکی

حارث ندجی سلمانی کے غلام تھے، جنارہ بن حارث کے ساتھ امام حسین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عاشور محرم کو کربلا کی زمین پر شہید ہوئے۔
البصار العین ص ۳۳ میں ہے۔

کان واضح غلاما ترکیا شجاعا واضح غلام ترکی تھے بہادر اور
قاسم۔ حافظ قرآن۔

علامہ مجلسی نے عبد اللہ و عبد الرحمن غفاریں کی شہادت کے بعد لکھا ہے
ثم خرج غلام توکی کان للحسین و کان قاسما بالقرآن فحمل
یقاتل و یوتجر و یقول الجحرم من طعن و ضربی بصیظی۔ و الجحور
من صھی و تلی تلی۔ اذ احسای فی عینی یحلی بفتق قلب الحاسد
المجل یقتل جماعته ثم سقط صریحا فجااء الحسین فکلی و وضع
خده علی خده ففتح علیه قراء الحسین فتبسم ثم صار
الی سراپ۔

”میرا ایک ترکی غلام میدان میں آیا جو حافظ قرآن تھا، اس نے
جنگ کرنا شروع کی اور وہ یہ جہڑ پڑھ رہا تھا ”سمندر میری تیرہ بازی و

شمسبازی سے آگ کی طرح اپنے کے لائق ہو جائے، اور رضا میر سے تیروں
سے پُر ہو جائے۔ جب میری تلوار میرے ہاتھ میں چپک دکھلائے تو دل
حاسد کا شگافہ ہو جائے؟

اُس نے بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور مچھر گھوڑے سے زمین پر آیا۔
امام لاش پر تشریف لے گئے اور گریان ہوئے۔ رنج و انہام غلام کے خشار
پر رکھا۔ غلام نے آنکھیں کھولیں۔ امام کے چہرہ پر نظر پڑی۔ دیکھ کر مسکرایا
اور روح نے جسم سے مفارقت کی (۱۵)

(۱۵)

حضرت ام المومنین۔ ام سلمہ

رضوان اللہ علیہا

بڑی بلند مرتبت مغفلا اور راج رسالتک اہل اللہ علیہ السلام میں
حضرت خدیجہ کبریٰ سلام اللہ علیہا کے بعد سب سے زیادہ پاک بندہ اور مقدس
بڑے درجہ کی نبی بنی تھیں۔

عبید نے کتاب القماریہ میں جو حفاظ صحابہ کی فہرست درج کی ہے ان میں
مہاجرین میں حضرت ام سلمہ کا بھی شمار کیا ہے (۱۶)

درا، بھارا بازار۔ ج ۱۰، ۱۹۹۱ء۔ ۲، اتقان سلوٹی مطبوعہ دہلی ۱۹۳۱ء

جناہم سلمہ کو رسالتِ آپ کے بعد آپ کے اہدیت یعنی علی بن ابیطالبؑ
حسن و حسین سے خاص خصوصیت رہی۔

اُس موقع پر جب ام المومنین عائشہ نے امیر مومنین علی بن ابیطالب کے
خلاف علم جنگ بلند کیا تھا اور آپ کے مقابلہ کے لیے پندرہ ہزار فوجیں روانہ
کرتے ہوئے تھیں اور یہ خبر مدینہ میں پہنچی تو ام سلمہ کھڑی ہوئی تھیں اور انھوں نے
امیر المومنین سے کہا تھا کہ ۔

یا امیر المومنین لو کان
اعصى الله عز وجل و
انك لا تقبله مني لخرجت
معك وهذا ابنی عمر قال
لهوا عز علی من نفسی یخرج
معك فشیهد مشاهدك
گر میرے لیے گھر سے نکلنا شرعاً ناجائز تھا
اور مجھے یقین نہ ہوتا کہ آپ اسے کبھی گوارا
نہ کریں گے تو میں خود آپ کے ساتھ
جنگ میں جاتی لیکن مجبور ہوں کہ میرا نکلنا
مشرع نہیں بہر حال یہ میرا فرض مذہبی ہے
جبکہ میں اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتی

ہوں۔ اسے میں آپ کے ساتھ بھیجتی ہوں اور یہ آپ کی لڑائیوں میں شریک ہوگا۔
عمر بن ابی سلمہ برابر امیر المومنین کے ہمراہ رکاب تھے اور حضرت نے
انھیں بحیرین کا حاکم بنا دیا جس پر وہ ایک عرصہ تک قائم رہے۔
حضرت ام سلمہ کے متعلق عام مؤرخین یہ لکھتے ہیں کہ ان کا انتقال ۳۹ھ

سنہ میں ہو گیا۔ لیکن معتبر روایات ایسے موجود ہیں جن سے یہ چلتا ہے کہ جب با
ام سلمہ، المحرم السنہ یعنی روز شہادت امام حسینؑ تک موجود تھیں۔
ملاحظہ ہو صواعق محرقات ابن حجر کی روایت

انہج الدجوسی فی معجمہ من حدیث	انس بن مالک کی روایت ہے کہ فرشتہ
انس ابی الذبی صلی اللہ علیہ	باران نے خداوند عالم سے اجازت لی
وسلم قال استأذن ملک	کہ وہ رسالتؐ کی ملاقات کو جائے۔
القطرہ ربہ ان یزور فی قاذن	اجازت لی اور وہ آپ کی خدمت میں
لہ وکات فی یوم ام سلمہ فقال	حاضر ہوا۔ اُس دن حضرت ام سلمہ کے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ام سلمہ	میں تھے۔ بچے ام سلمہ سے فرمایا کہ
احفظی علی الباب لا یدخل حدی	دیکھو دروازہ کا خیال رکھنا کوئی آنے
فینا ہی علی الباب ذہل الخ فافتم	نہ پائے۔ ام سلمہ دروازہ پر کھڑی تھیں
فوت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ	کہ حسینؑ آئے اور وہ گھر رسالتؐ کے
وسلم فحیل رسول اللہ صلی اللہ	پاس پہنچ گئے۔ حضرت اُنے حسین کو
علیہ وسلم بلیمہ ویتیلہ فقال	پیارا کرنا شروع کر دیا۔ فرشتہ نے کہا
لہ الملائکۃ الخبتہ قال نعم قال	آپس بچہ کو بہت چاہتے ہیں حضرت
ان اماتک نبتقلہ وان	نے فرمایا ہاں۔ اُس نے کہا کہ آپ کی

شئیت (سرلیٹ) السکان الذی
 یقتل بہ فارسہ مجاہد بسملہ
 او تو را بہ احمد فاحذہ تمام سملہ
 فحیلتہ فیہ تو مجاہد قال ثواب کتنا
 نقول امتھا کریمہ و اخرجہ
 ایضا ابو حاتم فی صحیحہ وروی
 احمد بخوہ وروی عبد بن
 حمید وابن احمد بخوہ ایضا
 کون فیہ ان الملائکۃ جبریل
 فان صحیح تھما واقعات و زاد
 النانی ایضا انہ صلی اللہ علیہ
 وسلم شہدا و قال یرجع کریم بالہ
 والمحملة کبر اولہ راصل
 حسن لیس بالذقاق الناعم
 و فی روایۃ الملا و ابن احمد
 فی زیارۃ المسند قالت
 ثمرنا و لنی کفایا من ثواب احمد
 امت اس کو قتل کرے گی۔ اگر آپ فرمائیے
 تو میں وہ جگہ آپ کو دکھاؤں جہاں یہ
 قتل کیا جائے گا چنانچہ اُس ملک نے
 ایک شرف مٹی حضرت کی خدمت میں پیش
 کی۔ وہ مٹی حضرت سیاح سلمہ نے لے لی۔
 اس روایت کو ابو حاتم نے بھی اپنے صحیح
 میں درج کیا ہے اور امام احمد بن حنبل
 نے بھی ایسی ہی روایت نقل کی ہے میر عبد
 بن حمید اور امام احمد کے صاحبزادہ نے بھی
 اسی قسم کی روایت کا ذکر کیا ہے لیکن
 اُس میں فرشتہ کا نام جبریل بتایا ہے اگر
 یہ روایت صحیح ہو تو اسکے معنی یہ ہیں کہ
 یہ واقعہ رتبہ پیش آیا ہے۔ امام احمد
 کے صاحبزادہ نے یہ بھی زیادہ کیا ہے کہ
 حضرت نے اُس مٹی کو سونگھا اور فرمایا
 کریم ہلاکی پڑاتی ہے۔ لا علی سقی اور
 ابن احمد کی روایت میں ہے کہ امام سلمہ کا

وقال ان هذا من تربية
 الارض التي تقتل بها فمتى
 صابح ما فاعلمى انه قد
 قتل قالت ام سلمة فوضعت
 في قارورة عند كوكنت
 اقول ان يوما يتحول فيه دما
 ليوم عظيم وفي رواية عن
 فاصيلة يوم قتل الحسين
 وقد صار دما وفي اخرى
 ثم قال يعني جبريل الا
 اسبوك تربية مقلد فجاؤ
 بهيات فجعلت رسول الله
 صلى الله عليه وسلم من
 قارورة قال ام سلمة
 فلما كانت ليلة قتل الحسين
 سمعت قائلا يقول
 اتجاء القاتلون بملاحيينا

بیان ہے مجھ کو حضرت نے ایک سخی سخی
 مٹی کی عطا کی اور فرمایا پائیں زمین کی
 مٹی ہے جہاں میرا فرزند حسین قتل ہوگا
 تو جب یہ خون ہو جائے تم سمجھنا کہ میرا
 فرزند قتل ہو گیا۔ ام سلمہ کا بیان ہے کہ
 میں نے اس مٹی کو ایک شیشہ میں رکھ دیا
 اور میں کہا کرتی تھی کہ جس دن شیشہ ٹوٹ
 ہو جائے گی وہ بہت بُرا دن ہوگا لیکن اس
 روایت میں ہے کہ جبریل نے کہا میں
 آپ کو قتل گا وہی مٹی دکھلاؤں۔ چنانچہ
 انھوں نے کچھ سنگریزے رسول کو دیے
 رسالتاً نے ان کو ایک شیشہ میں رکھا
 ام سلمہ کا بیان ہے کہ جس رات کا صبح کو
 حسین قتل ہونے والے تھے میں نے
 کسی شخص کو کہتے سنا۔

اے حسین کہ قتل کرنے والے اپنی جان کی
 وجہ سے تم کو مردہ ہو غدا اب وزالت

اسیر باب العذاب والتذلیل
قد احتتم علی لسان ابن داؤد
ووهو سی وصال الاخیل
قالت وکیمت وفتحها لقارود
فاذا الخصیات قد جرت دما
تو معلوم ہوا کہ سنگر نبولہ سے خون بہہ رہا ہے۔
اس کے بعد صراحت محرقہ میں لکھا ہے۔

اخرج الترمذی ان ام سلمة
رأت النبی صلی اللہ علیہ
وہ وسلم باکیا وبراہمہ وحبیہ
القواب فسلطہ فقال قل
الحسین النقاہ
حافظ ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت
ام سلمہ نے جناب رسالت کو خواب
میں دیکھا روئے ہوئے اس حال میں کہ
حضرت کے سر پر لاش پر خاک پڑی ہوئی
ہے جناب ام سلمہ نے دریافت کیا حضرت
نے فرمایا کہ ابھی ابھی حسین قتل ہوئے ہیں۔

ان تمام روایات سے یہ ظاہر ہے کہ حضرت ام سلمہ روز عاشورہ تک موجود تھیں
علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں اس قسم کی بہت روایتیں نقل کی ہیں (۱)
حضرت سید شہداد کی مدینہ سے روانگی کے موقع پر بھی ایک روایت ہے

جس میں حضرت ام سلمہ کا اکھا اور سید الشہداء سے رخصت ہونا اور اس مٹی کا تذکرہ کرنا جو رسالتِ نبیؐ نے اُن کو دی تھی۔ اور سید الشہداء کا بھی باعجاز امانت ایک مٹی خاکِ پی قندگاہ کی اُن معظّمہ کے سپرد کرنا اور یہ کہتا کہ جب یہ خاکِ ورودہ جو نامہ نے دی تھی دونوں خون ہو جائیں تو تجھے گا کہ میں قتل ہو گیا۔ یہ تمام امور مذکور ہیں۔

لیکن اس کے بعد ہمارے حیرت کی انتہا نہیں رہتی جب ہم دیکھتے ہیں کہ روزِ عاشور کے بعد امام زین العابدینؑ اہلِ الحرم کی مدینہ میں واپسی کے موقع پر اور اس کے بعد کوئی تذکرہ حضرت ام سلمہ کا نظر نہیں آتا۔

یہ امر قیاس سے بہت بعید ہے کہ اس موقع پر حضرت ام سلمہ موجود ہوں اور وہ حضرت زینب و ام کلثوم وغیرہ کے واپسی مدینہ کے موقع پر ملنا کے لیے نہ آئیں اور اُن کا کوئی تذکرہ نظر نہ آتا۔

اس شکل کا حل اس وقت ہوتا ہے جب ہم حیوۃ السحیوان دوسری میں یہ دیکھتے ہیں۔

فیل قریفت سنۃ احدی	ایک قول یہ ہے کہ جناب ام سلمہ نے سنۃ
و مستلین فی یوم عاشوراء و هو	میں دسویں محرم کو انتقال کیا اور یہی
الیوم الذی قتل فیہ الحسین	وہ دن تھا جس میں حسین بن علیؑ کی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہادت ہوئی تھی

تمام روایات کو لکھنے سے سنائی ضمیر بھی فیصلہ کرے گا کہ جناب امام مسلم
حضرت سیّد الشہداء کی شہادت کو معلوم کر کے اس مصیبت کی تائید لاسکیں
اور آپ کی روح نے اسی روز جسم سے مفارقت کی۔

ہم نے اس موقع پر روایات کے نقل کرنے میں ذرا غیر معمولی تفصیل
کے کام لیا اس لیے کہ یہ حقیقت عام کتب مقاتلہ و رواۃ نسخ کے مصنفین
پر مخفی رہی ہے اور کسی واعظ و ذاکر کو بھی جہاں تک یہیں معلوم ہے اسکی
حرف توجہ کا موقع نہیں ہوا ہے۔ واللہ العالم بحقیقۃ الحال۔

(۱۶)

ترجمان القرآن عبداللہ بن العباس

رضوان اللہ علیہ

وہی نے طبقات القراء میں ابی بن کعب کے تذکرہ کے بعد لکھا ہے۔

قد قرأ علی ابی جماعۃ من ابی بن کعب بہت سے صحابہ نے حفظ

الصحاحۃ مصنف ابن عباس۔ تراکبیا جن میں سے ابن عباس ہیں۔

علامۃ الدہر سید حسن صدر اپنی گرانقدر کتاب تاریخ السلفۃ الکرام

مفسرین الاسلام میں ابن عباس کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

من شیوخ القراء المجمع
 البصر فی القراءة اخذ القراءۃ
 عن اصغر المومنین وابی
 بن کعب۔
 یثبت حفاظ قرآن میں سے تھے جن کی طرف
 قرأت قرآن میرے جمع کی جاتی تھی اس میں
 قرآن کی تعلیم میرے المومنین اور ابی بن کعب
 سے حاصل کیا تھی۔

ابن عبد البر نے استیجاب میں لکھا ہے

سروینا عن وجہ عن سعید
 بن جابر عن ابن عباس قال
 توفی رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم واما ابن عشر
 سنین فقد قرأت اللہم فی الفصل
 مکین ہے کہ یہ سورہ بھی آپ نے جناب میں سے حفظ کیے ہوں اور پھر
 بقیہ قرآن ابی بن کعب سے یاد کیا ہو۔

سید رقی ازبیدی نے شرح احیاء العلم میں لکھا ہے۔

اخرج ابو نعیم فی الحلیۃ من
 سہامۃ یونس بن بکر
 حدثنا ابو حمزۃ الثمالی عن
 حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الادبیاء میں ابو نعیم
 کی روایت درج کی ہے کہ میں نے ابن عباس
 کی غلطی صحبت کا ایسا واقعہ دیکھا ہے کہ

ابی صالح قال لقد رأيت
 من ابن عباس مجلسا لو أن
 جميع قريش فخرت به لكان
 لها فخر لقد رأيت الناس
 رحتوا حتى ضاق بهم
 الطريق فما كان أحد يقدر
 على أن يحمي ولا يذهب
 قال فدخلت عليه فاخبرته
 بما كانهم علي باب فقال
 نعم لي وضوء قال فتوضأ
 وجلس وقال خرج فقل لهم
 من كان يريد أن يسأل
 عن القرآن وحرمة فليدخل
 فخرجت فاذا بهم قد خلوا
 حتى ملأوا البيت والحجرة
 فما سئلوا عن شيء إلا
 أخبرهم عنه وزادهم

جس پر تمام قریش اگر ناز کریں تو بجا ہے
 میں نے دیکھا اور روزہ پراتے لوگ مختلف
 مسائل کے تحقیقات کرنے والے اجمع ہوئے
 کہ راستہ بن ہو گیا۔ زاد و حر کا کوئی آدمی
 اور حرجا سکتا نہ اور حرجا اور حرجا سکتا ہے
 رہ رہ گیا اور میں نے ابن عباس کو
 ظالم دی کہ اتنے لوگوں کا مجمع ہے
 انہوں نے وضوء کیا اور اپنی جگہ پر آئے
 بیٹھے کہا کہ باہر جاؤ اور کہو کہ جو لوگ
 الفاظ قرآن اور اس کے حروف کے
 متعلق سوال کرنا چاہتے ہوں وہ اندر
 آئیں میں گیا اور میں نے ان لوگوں کو
 اندر آنے کی اجازت دی اور وہ لوگ
 اندر آئے یہاں تک کہ تمام گھر غلغلہ ہو گیا
 انہوں نے اپنے اپنے مسئلے دریافت
 کیے اور ابن عباس نے جبکہ انہوں نے پوچھا
 وہ بتایا اور کچھ اپنی طرف سے اضافہ کیا

ثم قال اخوانكم فخر جو اقم قال
 اخراج قتل من اراد ان
 ليسأل عن تفسير القرآن
 وما وليه فليدخل قال
 فخرجت ما ذيقهم فدخلوا
 حتى ملأوا البيت والحجرة
 فما سئلوه عن شيء الا
 اخبرهم به وذاذهم ثم
 طل اخوانكم فخر جوا۔

پھر انھوں نے کہا بل اپنے دوسرے
 بھائیوں کو موقع دے وہ لوگ اٹھے
 اور باہر گئے۔ ابن عباس نے مجھ سے کہا
 جاؤ اور کہو کہ جو لوگ تفسیر قرآن اور
 تاویل کے متعلق سوالات کرنا چاہتے
 ہوں وہ اندر آئیں۔ میں گیا اور میں نے
 کہا۔ وہ لوگ اندر آئے اور اتنے گھر
 پورا مٹا ہو گیا۔ انھوں نے بھی جو کچھ
 سوالات کیے ان کا ابن عباس نے

جواب دیا بلکہ اُس سے زیادہ بتا دیا۔ پھر کہا اپنے دوسرے بھائیوں کا خیال کرو۔
 وہ لوگ اٹھے اور باہر گئے۔ اسی طرح مختلف علوم و فنون کی تحقیقات کرنے والے
 اندر آئے اور اپنے سوالات سے کچھ زیادہ جواب سن کر باہر گئے۔

اس روایت میں پہلے جن لوگوں کا تذکرہ ہے کہ انھوں نے اپنے شکلات
 ابن عباس سے حل کرائے وہ حفاظ قرآن ہی ہیں۔

ابن عباس امیر المؤمنینؓ کے مخصوص شخص اور مستند شیعہ تھے۔
 رجال کشی میں بعض ضعیف السند روایات جو ان کی مذمت کے متعلق
 ہیں ان کو علما نے صحیح تسلیم نہیں کیا ہے۔

وعندكم القرآن حسينا
 كتاب الله فاختلف اهل البيت
 فاختصوا منهم من يقول
 قرأوا بكتبكم النبي صلى الله
 عليه وسلم كتابا لم يفتوا
 بعدا ومختم من يقول
 ما قال عمر فلا اكثروا اللغو
 والاختلاف عن النبي صلى الله
 عليه وسلم قال رسول الله
 صلى الله عليه وسلم قوما
 قال عبيد الله فكان ابن عباس
 يقول ان الرزية كل الرزية
 كان في سب بغير ادب من سب
 اختلافهم ولغظهم
 كما ان الدين ديمري في حيا
 الجوان في شفاء الصدور بن سبيع
 بسني کے خواتم علی بن عبد اللہ بن عباس کی روایت لکھی ہے کہ میں

کافی ہے بکھراؤوں میں سوقت
 اختلاف ہوا کچھ لوگ کہتے تھے کہ
 قلم ووات دینا چاہیے کہ رسالت الہی
 بکھریں گے جس کے بعد گمراہی سے
 محفوظ ہو جائیں کچھ لوگ وہ کہتے تھے
 کہ جو غم نے کہا تھا جب متور ہوا اور
 جھگڑا ہونے لگا تو رسالت آپ
 نے فرمایا کہ میرے پاس سے اٹھ جاؤ
 ابن عباس کہتے تھے کہ مصیبت
 سب سے بڑی وہی تھی کہ رسالت
 کو وہ بکھریں گے کا موقع نہ ملا جو آپ
 لکھا جاتے تھے۔

ما حال بین رسول الله صلى الله عليه وسلم وبين ان
 يكتبهم ذلك الكتاب من اختلافهم ولغظهم

کما ان الدين ديمري في حيا
 الجوان في شفاء الصدور بن سبيع
 بسني کے خواتم علی بن عبد اللہ بن عباس کی روایت لکھی ہے کہ میں

ایک مرتبہ اپنے والد کے ساتھ تھا ایک معظّمہ میں اُس وقت جب ان کی آنکھوں کی
 بصارت زائل ہو چکی ہے۔ ہمارا گذر ہوا، ایک جماعت کی طرف سے جو زفر
 کے کنارے بیٹھی ہوئی علی بن ابیطالبؑ کو برا کہہ رہی تھی۔ عبداللہ بن عباس
 نے اپنے شاگرد سعید بن جبیر سے جو آپ کا ہاتھ پکڑ کے بجاتے تھے، کہا کہ ذرا
 مجھے ان کی طرف واپس کرو۔ سعید انھیں پٹانے لگا اُس جمعہ کے پاس لائے
 ابن عباس نے کہا۔ اَیْکُمُ الْمَسَابِیْہُ وَالْمَسُوْلُہُ۔ ”تم میں سے
 کون شخص خدا اور رسولؐ کو گالیاں دے رہا تھا؟“ اُن لوگوں نے کہا سبحان اللہ
 ہم میں کوئی شخص ایسا نہیں جس نے خدا اور رسولؐ کو برا کہا ہو۔ ابن عباس
 نے کہا۔ اَیْکُمُ الْمَسَابِیْہُ لَعَلّٰی۔ ”تم میں سے حضرت علیؑ کو برا کہنے والا
 کون ہے؟“

اُن لوگوں نے کہا ہاں اتنا تو ہوا تھا۔ ابن عباس نے کہا میں گواہی
 دیتا ہوں کہ میں نے رسالتؐ کو فراتے سنا ہے۔ مَنْ سَبَّ عَلِیًّا
 فَقَدْ سَبَّنِیْ وَمَنْ سَبَّنِیْ فَقَدْ سَبَّ اللّٰہَ وَمَنْ سَبَّ اللّٰہَ کَفَرٌ
 اللّٰہُ عَلٰی صُخْرٰیہِ فِی النَّارِ۔

”جو شخص علیؑ کو برا کہے اُس نے مجھے برا کہا اور جس نے مجھے برا کہا اُس نے
 خدا کو برا کہا اور جس نے خدا کو برا کہا خدا اُس کو آوند سے مُنہ پرکے گا۔“

ابن عباس نے شہد میں طائف میں انتقال کیا
حضرت محمد بن الحنفیہ نے ناز جنازہ پڑھی اور کہا۔ الیوم مات ربانی
ھذا، وقتہ آج اس امت کا سب سے زیادہ خدا شناس آدمی دنیا
سے اٹھا۔

(۱۷)

ابوالاسود دؤلی

حضرت علی کے مخصوص شاگرد اور مستند حافظ قرآن تھے قرآن مجید
پر نقطے اور اعراب لگانے کی خدمت انھوں نے ہی انجام دی ہے جو آج
مسلمانوں کے لیے سرمایہ حفظ و قرات ہے۔

نصب المعادۃ المصریۃ سید محمد علی بلاوی نے کتاب التعریف بالنبی
والقرآن والمشریف لکھی ہے۔

لما دخل غیو العرب فی الاسلام من الفرس وغیرہم
و غیوہ اسلام میں داخل ہوئے اور
عربی بات چیت میں غلطیاں ہونے
لگیں تو خون پیدا ہوا کہ قرآن کی تلاوت

فی قرآنہ فطلب زیاد من ابیہ
 وكان امیر الخلق الی الی الامو
 الذوئی وهو من کبار التابعین
 مطلقین للقراءة ای یضع
 للناس علامات تضبط
 قراءتهم شکل او اخر الکلمات
 من المصحف الشریف و
 جعل النقطة نقطة فوق الحرف
 والنکسة نقطة تحت النقطة
 نقطة الی حیاتیہ وجعل
 علامة الحرف المتون نقطتين
 ونقطه حرف کے اوپر

شیخ الاسلام حانظا بن محمد عسقلانی اصابتہ میں لکھتے ہیں۔
 قال ابن سعد استخلفه
 ابن عباس من علی المصنف فاقرا
 ابن عباس من علی المصنف فاقرا
 ابن عباس من علی المصنف فاقرا

قال اقل من وضع العربية
 ونقط الصحاح ابوالاسود
 وقد سئل ابوالاسود عن
 صحيح لما لطريق فقال تلقينه
 عن علي بن ابي طالب
 جس نے علم خودی ایجاد کی، درقرآن میں نقشے
 لگائے وہ ابوالاسود ہیں، در ابوالاسود سے
 خود دریافت کیا گیا کہ ان کو یہ راستہ کس نے
 بتایا وہ انھوں نے کہا میں نے اس کو
 علی بن ابیطالب سے حاصل کیا۔

ان کا تشیع محتاج ثبوت نہیں ہے۔

حافظ جمال الدین سیوطی نے بغیۃ الوعاة فی طبقات النحاة وکھاسے
 کان من سادات النجین
 ومن اکل الرجال رأیا واستم
 عقلا شیعیا شاعرا سیر الجواب
 ثقة فی حدیثه وصحب علی
 بن ابي طالب وشهد معه
 صفین
 یہ بڑے درجہ کے تابعی سب سے زیادہ
 صاحب اثر کے، غفرلہ شیخہ، شاعر۔
 حاضر جواب، روایت حدیث میں ثقہ
 تھے، علی بن ابیطالب کی صحبت میں رہے
 اور آپ کے ساتھ جنگ صفین میں
 شریک ہوئے۔

حافظ عسقلانی نے کھاسے۔

قال للربيعاني هاجر ابوالاسود
 الى البصرة في خلافة عمر بن الخطاب
 مرزبانى نے کہا ہے کہ ابوالاسود حضرت عمرؓ
 کے زمانہ میں بصرہ کی طرف ہجرت

علی البصرة خلافت لا بہن
عباس وکان علوی المذہب
کر گئے تھے اور حضرت علی نے انکو بن عباس
کی قائم مقامی میں بصرہ کا حاکم بنایا اور
یہ علوی مذہب رکھتے تھے۔

نیز حافظ کا قول نقل کیا ہے۔

ابو الاسود معد ودفی
طبقات من التامی جعدی
کھٹا مقدم کان معد ودا
فی التامیین والفقہاء والمشرک
والمحدثین والاشراف
والفرسان والاحراء والذہاب
والخاضری الجواب والشیعة
ابو الاسود بہت سے طبقوں میں محسوب
ہیں اور وہ ہر طبقہ میں اول درجہ
رکھتے ہیں۔ وہ تابعین میں محسوب تھے
فقہاء میں شعراء میں محدثین میں اشراق میں
شعراء میں شواروں میں حکام میں۔ عسکریوں
میں۔ حاضر و ابوں میں۔ اور
شیعوں میں

دیر ہی نے کھا ہے کہ ابو الاسود سے پوچھا گیا کہ امیر معاویہ جنگ
بہد میں شریک ہوئے تھے ؟

ابو الاسود نے کہا ہاں مگر اس طرف سے ہوا

ابو الاسود کی وفات ۴۹ھ میں ہوئی ہے۔

(۱۸)

ابو عبد الرحمن سلمیٰ

اصلی نام عبد اللہ بن حبیب بن ربیعہ تھا، بڑے درجہ کے تابعی اور
امیر المؤمنین حضرت علیؑ کے محفوض صحابی تھے اور حفاظ قرآن میں بڑا درجہ
رکھتے تھے۔

عاصم جو قرآن سجدہ میں محسوب ہیں وہ اسخی کے شاگرد تھے اور انھوں نے
قرآن امیر المؤمنینؑ کو سنایا تھا۔
لاحظہ ہو صواعق محرقة علامہ ابن حجر مکی۔

حضرت علیؑ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے	امامہ (ای علیؑ) احد من جمیع
قرآن حفظ کر کے رسالتاً کو سنا دیا اور	القرآن وعرضہ علی رسول اللہؐ
پھر آپ کو قرآن حفظ کر کے سنایا، ابو الاسود	وعرضہ علیہ ابو الاسود الدؤلی
دؤلی اور عبد الرحمن سلمیٰ اور عبد الرحمن	و ابو عبد الرحمن السلمی و
بن ابی لیل نے۔	عبد الرحمن بن ابی لیلی۔

ابن عبد البر نے لکھا ہےؒ

ابو عبد الرحمن سلمیٰ کے متعلق صحیح روایات ہیں

ابو عبد الرحمن السلمیؒ نا لکھتے

۱) مطبوعہ مصر ص ۴۲ (۲) استیعاب مطبوعہ حیدرآباد ص ۱۸۱ و بیحاشہ احادیث مطبوعہ مصر ص ۵۹

انہ کان مع علی رضی اللہ عنہ کہ وہ حضرت علیؑ کے ساتھ تھے۔

چارے علماء نے بھی ان کے تشیع کی تصدیق کی ہے۔

علامہ حسین صدر دام ظلہ نے کتاب "مسیر الشیعة الکرام لقنون الاسلام" میں لکھا ہے۔

قرأ ابو عبد الرحمن السلمی۔ ابو عبد الرحمن نے حفظ قرآن امیر المؤمنین

علیؑ امیر المؤمنین کافی مجمع البیان سے کیا ہے، جیسا کہ مجمع البیان، اور

وطیقات القراء فی رجال البغوی طبقات القراء میں مذکور ہے اور حال ہی

فی خواص علی علیہ السلام میں ہے کہ قبیلہ سمریہ سے امیر المؤمنین

من مصرا ابو عبد الرحمن عبد اللہ کے مخصوص ہیں سے ابو عبد الرحمن

بن حبیب السلمی۔ عبد اللہ بن حبیب سلمی تھے۔

انہوں نے سید کے بعد استقام کیا ہے۔

(۱۹)

ابوزید ثابت بن نایہ انصاری

ابن عبد البر کی روایت میں ہے کہ قال الخرجیون منا ارجعہ

قرئوا القرآن علی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لہم

لقراءہ غیرہم "قبیلہ خریج والوں نے کہا کہ ہم میں سے چار آدمی ہیں

جنہوں نے رسالتؐ کے سامنے قرآن حفظ کیا اور ان کے سوا کسی نے
 (قبیلہ اوس) میں سے قرآن حفظ نہ کیا تھا۔ ان چار میں ابو زید کا نام ہے۔^(۱)
 شعبی کی روایت میں جو چھ آدمیوں کا ذکر ہے ان میں بھی ابو زید کا نام ہے۔^(۲)
 یحییٰ بن یحییٰ سے دریافت کیا گیا کہ یہ ابو زید کون ہیں جنہوں نے رسالتؐ
 کے زمانہ میں حفظ قرآن کیا تھا؟ انہوں نے کہا ثابت بن زید۔^(۳)

علامہ حلی طاب ثراہ نے خلاصۃ الرجال میں ان کو قسم اور یعنی محدثین
 میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے۔ ہواحد الستۃ الذین جمعوا القرآن
 علی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

یہ ان چھ آدمیوں میں سے ہیں جنہوں نے رسالتؐ کے زمانہ میں حفظ
 قرآن کیا تھا۔ ان کی درجات کا زمانہ صحیح طور سے معلوم نہیں۔

(۲۰)

عبد الرحمن بن ابی حنیفہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان کا صحابہ کے ذیل میں تذکرہ کیا ہے اور
 لکھا ہے کہ۔

(۱) احتیاج بہ حاشیہ اصحاب فقہ مصر ج ۱ ص ۲۸۲ (۲) اسد الغابہ ج ۱ ص ۳۶۳

(۳) اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۰۳

خلیفہ بن خیاط۔ یعقوب بن سفیان۔ بخاری۔ ترمذی اور بہت سے لوگوں
نے ان کو صحیح ہیں داخل کیا ہے۔ ابو حاتم نے کہا ہے کہ یہ رسالت کی خدمت میں
شرفیاب ہوئے اور حضرت کے پیچھے نماز پڑھی۔ ابن سعد اور ابن داؤد نے سند حسن
سے روایت کی ہے کہ انھوں نے رسالت کے پیچھے نماز ادا کی ہے۔ ابن سکین
کا قول ہے کہ ان کو رسالت نے خراسان کا حاکم بنا یا تھا۔

عبدالرحمن بن ابیہ امیر المؤمنین علی بن ابیطالب کے ساتھیوں میں سے
تھے۔ خود ان کی روایت ہے۔

مشعل نام علی بن ابیہ	ہم لوگ یعنی وہ کہ جو شجرہ کے نیچے رسالت
الرحمن تحت الشجرة ثمانية	سے بیعت الرضوان کیے ہوئے تھے انھوں
نفس بصفتين قتل منا	کی تعداد عیسیٰ بن ابیطالب کیساتھ مضمین
ثلاثمائة وستون نفسا۔	میں شریک جنگ ہوئے تھے جن میں سے
۴۰ آدمی قتل ہو گئے۔	

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ حضرت عمر نے نافع بن عبد الحارث خزاعی سے
رجو بظاہر کہ منظر کے اصلی حاکم تھے، اور اس موقع پر غار صنی طور سے بدینہ
آئے ہوئے تھے، یہ دیکھا کہ تم نے کمر میں کس کو حاکم بنایا ہے؟ انھوں نے کہا کہ
عبدالرحمن بن ابیہ کو

حضرت عمر نے کہا تم نے ایک غلام کو حاکم بنایا، نافع نے کہا، اللہ قاری

کتاب اللہ عالم بالقرآن ہے۔
 ”مگر وہ حافظ قرآن اور فیض و احکام کا عالم ہے۔“
 ابو یعلیٰ نے ایک دوسرے طریق سے اس روایت کو چمکھایا ہے، انہیں
 ہے۔ (نئی وجہ تہ اقرأهم لکتاب اللہ و انفعهم فی دین اللہ۔
 ”میں نے اُس کو سب سے زیادہ کتاب اللہ کا حافظ اور مذہبی مسائل
 میں نصیب پایا۔“

جنگ صفین کے بعد سے عبدالرحمن کو ذمہ میں قیام پذیر رہا۔“

(۲۱)

عبید بن نضله خزاعی

ذہبی نے طبقات القراء میں ان لوگوں کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے
 ابی بن کعب سے قرآن حفظ کیا۔ پھر لکھا ہے کہ واحد عنہم خلیف
 من التابعین۔ ان صحابہ سے پھر بہت سے تابعین نے قرآن یاد کیا
 اس کے بعد ان لوگوں کی فرست بیج کرتے ہوئے، ان لوگوں میں سے جو
 کو ذمہ میں مقیم تھے عبید بن نضله کا نام لکھا ہے (۲۲)

شیخ الطائفة محمد بن یحییٰ بن الحسن الطوسی نے کتاب الرجال میں عبید کا تذکرہ

(۱) اصحاب مطبوعہ مصر (۲) اصحاب مطبوعہ مدینہ منورہ

اُن لوگوں میں کیا ہے جو امیر المؤمنین سے روایت حدیث کرتے ہیں اور لکھا ہے۔

قیل لا عیش علی من قرأت
قال علی یحیی بن واثق دخی
قر علی عبید بن فضالہ
کان یقرأ کل یوم ایه تفرغ
من القرآن فی سبع واربعین
سنتہ۔
اعش سے پوچھا گیا کہ تم نے قرآن
کس سے حفظ کیا، انھوں نے کہا
یحیی بن واثق سے اور یحیی نے عبید
بن فضالہ سے روزانہ ایک آیت حفظ
کرتے تھے یہاں تک کہ پورا قرآن
۴۷ برس میں حفظ کیا۔

(۲۲)

زاذان ابو عمر فارسی کنندی

ایرانی نژاد قبیلہ کندہ کے رہنے والے تھے، اس لیے فارسی اور کنندی
کہلاتے تھے۔

حافظ ابن حجر نے "تقریب التہذیب" میں لکھا ہے۔

صدوق یومل و فیہ
شیخۃ
راستگو ہیں۔ اکثر روایات بغیر حوالہ نقل
کرتے ہیں اور انہیں شیعہ پایا جاتا ہے۔

(۱) مطبوعہ دہلی ۸۰

علامہ علیؑ نے خلاصہ امیر المومنین کے مخصوصین میں شمار کیا ہے۔
شیخ ابو علی حائری کتاب فتنی المقال میں کتاب خراج و جرائع سے
روایت کرتے ہیں۔

سروعتی سعد الخفاف عن
ذاذان ابی عمر و قال قلت
لہ یا زاذان انک لتقرأ القرآن
فتحسن قراءتہ فغلی من
قرأت فتبسم ثم قال ان
امیر المومنین مرثی وانا
اشد الشعراء کان لی
خلق حسن فاعجبه صوتی
فقال یا زاذان فحلا بالقرآن
قلت یا امیر المومنین
خکیف لی بالقرآن فوالله
ما اقرأ منه الا بقدر ما
اصلی بہ قال فاذن متی

سعد تھاں کا بیان ہے کہ میں نے
زاذان سے کہا تم قرآن پڑھتے ہو اور
خوب پڑھتے ہو یہ بتاؤ کہ تم نے اسے حفظ
کس سے کیا؟ زاذان یہ شکر سکرائے
اور کہا سنو! امیر المومنین ایک مرتبہ
سیری طرف سے گزری جبکہ میں شعر
پڑھ رہا تھا اور میری آواز
قدرة بہت اچھی تھی حضرت امیر کو
سیری آواز بہت پسند آئی اور فرمایا
کہ زاذان یہ آواز قرآن میں صرف
نہ ہوا۔ میں نے کہا یا امیر المومنین
میں قرآن کیسے پڑھوں۔ مجھے تودہ
اٹھاری یاد رکھنا نماز میں ضرورت ہوتی ہے

فدا نوت منه تمکلم فی اذنی
 بکلام ما عرفته ولا علمت
 ما یقول ثم قال فتم غاک
 فقل فی فی فوالله ما ذالت
 فدی من عبده حتی حققت
 القرآن باعراید وحمزة و...
 احجبت ان اسأل عما حدث
 بعد موقفی ذلک قال بعد
 فقصص قصه فاذا ان
 علی ابی جعفر قال صدق
 فاذا ان ات اصیر المؤمنین
 عا لفاذا ان بالاسم الاعظم
 الذی لا یرو-

حضرت نے فرمایا میرے قریب
 میں حضرت نے قریب کیا تو حضرت نے
 میرے کان میں کچھ کہا جو میں سمجھا نہیں
 سیر فرمایا کہ منہ اپنا کھولو میں نے منہ
 کھولا تو حضرت نے اپنا لہجہ میرے
 منہ میں ڈال دیا خدا کی قسم میرا پاؤں
 اس جگہ سے ہٹا نہیں جیسا کہ قرآن
 مجھ کو اعراب و ہمزوں کے ساتھ یاد
 نہ ہو گیا اور میں نے کچھ کسی مسئلہ میں کسی
 شخص کی طرف رجوع کی ضرورت
 محسوس نہیں کی۔ بعد خفاف کا بیان
 ہے کہ میں نے زاذان کے واقعہ کا
 تذکرہ ازم محمد باقر سے کیا۔ آپ نے فرمایا
 کہ زاذان نے سچ کہا۔ امیر المؤمنین نے ان کے لیے اسم اعظم کے توسط سے دعا کی تھی
 زاذان نے سلام میں داعی اہل کر لیکر بھیج دیا۔



(۲۲)

زربخش اسدی

ابو مریم اور بقولے ابو مطرف کہتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت کی پیدائش تھی
مگر یہ کتاب کی زیارت سے شرف نہیں ہونے اس لیے نابین ہیں محسوب ہیں
ابن عبد البر نے لکھا ہے

كان عالما بالقرآن قارئاً فاصلاً۔ "یہ قرآن مجید کے عالم اور حافظ
فاضل شخص تھے۔" (۱)

ذہبی نے طبقات القراء میں بھی ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ
ان لوگوں میں سے جو تابعی تھے اور صحابہ سے حفظ قرآن کیا، کو ذکر کرنے
والوں میں سے زربخش تھے۔ (۲)
حافظ عسقلانی لکھتے ہیں۔ (۳)

قال عاصم كان من اعراب الناس وكان ابن مسعود
يسأله عن العربية وقال ايضا كان ابو اثل عثمانيا وزمرا
علویا وكان مصلاهما في مسجد واحد۔

(۱) استیعاب بر حاشیہ: ص ۵۸۸ (۲) اتقان مطبوعہ

دہلی ص ۵۷ (۳) ص ۵۷ مطبوعہ مصر ص ۵۷

ماہنامہ نے کہا ہے کہ زربین حبیش علم نحو کے بہترین عالم تھے اور ابن جود
ان سے علم نحو کے مشکل مسائل پوچھا کرتے تھے۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ ابوہریرہ
عثمانی شخص تھے اور زہر حضرت علیؑ کے طرفدار تھے، اور یہ دونوں آدمی
ایک ہی مسجد میں نماز پڑھتے تھے۔

زربین حبیش نے سلسلہ میں انتقال کیا

(۱۲۴۶)

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ انصاری

نقہائے زمانہ میں محسوب تھے۔ علامہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں
حضرت علیؑ کے متعلق لکھا ہے۔

آپ ایک وہ شخص ہیں جنہوں نے	اللہ احد من جمیع القادین
قرآن حفظ کر کے رسالت آپ کو سنایا	وعرضہ علیٰ مرسل اللہ
اور پھر آپ کو قرآن حفظ کر کے سنایا	صلی اللہ علیہ وسلم
ابوالاسود دؤلی نے ابو عبدالرحمن	وعرض علیہ ابوالاسود
سلی اور عبدالرحمن ابن ابی لیلیٰ	الدؤلی و ابو عبد الرحمن السلی
نے	عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ

(۱) مطبوعہ مصر ص ۴۲

علامہ علیؑ نے خلاصہ میں لکھا ہے۔ حضور من اصحاب علیؑ
 صحفہ معہ ضربہ الحجاج حتی اسود کفاه علیؑ سب علیؑ
 وہ آپ امیر المومنینؑ کے اصحاب میں سے ہیں اور حضرت کے ساتھ
 لڑائیوں میں بھی شریک ہوئے ہیں۔ حجاج بن یوسف ثقفی نے اپنے زمانہ
 حکومت میں آپ کو سید لگوائے یہاں تک کہ آپ کے دونوں شانے سیاہ
 ہو گئے، اس بات پر کہ امیر المومنینؑ کو برا کہیں۔
 آپ کا انتقال بھی ۳۵ھ میں ہوا ہے۔

(۲۵)

سید بن مسیب قرشی

اپنے زمانہ کے بڑے فقہار اور حفاظ قرآن میں سے، بلکہ مدینہ میں
 امام القراء کی حیثیت رکھتے تھے۔

ولادت ان کی بزمانہ حضرت عمرؓ یعنی ۳۵ھ کے حدود میں ہوئی
 اور ابن شہر آشوب نے مناقب میں لکھا ہے کہ سرباہ (امیر المومنین
 یعنی امیر المومنین حضرت علیؑ نے ان کی تربیت کی۔ علامہ حسین صدر
 لکھتے ہیں۔

وکتبہ و لہ عیال مرقہ و شہد محو حرمہ۔ امیر المومنین ہی

کی صحبت میں رہے اور جدا نہیں ہوئے، اور حضرت کے ساتھ گزرا یہاں
میں شریک ہوئے۔

عمر کا آخری حصہ امام زین العابدینؑ کے ساتھ گزرا اور حضرت ہی
کے اصحاب میں محسوب ہوئے۔ بلکہ امام موسیٰ کاظمؑ کی حدیث میں جو کتاب
الاختصاص سے منقول ہے، ان کا امام زین العابدینؑ کے نجی اہل
سوار میں سے ہونا ثابت ہوتا ہے (۱)۔
بزنطی کی روایت میں ہے کہ

ذکر عند الرضا القاسم بن	امام رضاؑ کے سامنے آپ کے جد امجد
محمد خال امیہ وسعید	امام جعفر صادقؑ کے ماموں قاسم
بن المسیب فقال کانا	بن محمد اور سعید بن المسیب کا تذکرہ
على هذا الامر۔	ہو، حضرت نے فرمایا وہ دونوں آدمی
اسی مذہب پر تھے۔	

یہ ان کے صریح قبیحہ پر نفی صریح ہے جس کے مقابلہ میں کوئی
مسند روایت موجود نہیں ہے۔
ان کی وفات سلسلہ میں ہوئی ہے۔

(۲۶)

سید بن جمیر سیدی کو فی

اعلم اننا بعین مشہور تھے کتاب التعریف بالمینی والقرآن الشریف^(۱)

میں ہے۔

نہاں یہاں القرآن علی حرفین یہ قرآن کو دو قراؤں کے مطابق خطبے ہوئے تھے۔

نوبی نے طبقات القراء میں لکھا ہے کہ ابی بن کعب سے بہت لوگوں نے صحابہ میں سے حفظ قرآن کیا۔ پھر ان سے بہت سے تابعین نے جنہیں سے کوفہ کے رہنے والوں میں سے سید بن جمیر ہیں^(۲)۔

علامہ سید محسن اعرجی نے اپنی کتاب الرجال میں لکھا ہے کہ قرآن القرآن فی رکعت فی البیت الحرام : سید بن جمیر نے ایک مرتبہ یہ قرآن ایک رکعت میں ختم کیا۔

سید المزمین العابدین کے مخلص صحابی تھے۔ امام حنفی صاوت^(۳) نے فرمایا ہے۔

ما کان منبج تعلق الحاج لہ الا علی حدی الامرکان مستقما

(۱) مطبوعہ مصر ص ۶۶ (۲) اتفاق مطبوعہ دہلی ص ۱۴

”حجاج کے قتل کرنے کا سبب ان کو یہی قشیع تھا اور وہ ثابت قدم شیعوں کے
ومیری نے حیرانہ احوال میں لکھا ہے

روى عن عمر بن عبد العزيز	عمر بن عبد العزيز خليفه اموي نے
رحمنا الله اندساي الحجاج	حجاج کو خواب میں دیکھا اُسکے
في المنام بعد موته وهو	مرنے کے بعد اس حالت میں
جيفة منتنة فقال لا	کہ وہ بدبودا مردہ کی صورت ہے
ما فعل الله بك قال	انہوں نے اُس سے پوچھا کہ خدا
قتلني بكل قتل قتلت	نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا ؟
قتلة واحدة الامعاء	اُس نے کہا کہ خدا نے مجھ کو ہرقتول
بن جبير فانه قتلني	کے عوض میں جس کو میں نے قتل
به سبعين قتلة	کیا تھا ایک ایک دفعہ قتل کیا۔

لیکن سعید بن جبیر کے بدلے میں مجھ کو ستر مرتبہ قتل کیا گیا۔“

اسکے بعد علامہ ومیری لکھتے ہیں۔

فان قيل ما الحكمة في	اگر کہا جائے کہ اس میں کیا بات ہے
انه الله تعالى قتل الحجاج	کہ خدا نے حجاج کو ہر اُس شخص کے بدلے
بكل قتل قتله قتل واحد	میں جس کو اُس نے قتل کیا تھا ایک مرتبہ

در خلاصۃ الرجال مطبوعہ ایران ط ۳۵ (۲) مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۱۲۹

الأسعید بن جبیر رحمہ اللہ
 تعالیٰ وهو قد قتل عبد اللہ
 بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ
 عنہما وهو صحابی وسعید
 بن جبیر تابعی والصحابی
 افضل من التابعی فالجواب
 ان الحکمة فی ذلك ان الحاج
 لما قتل عبد اللہ بن الزبیر
 رضی اللہ تعالیٰ عنہما کان
 له نظر کوفی العلم کثیرون
 کان عمر و الش بن مالک
 وغیرہما من الصحابة
 ولما قتل سعید بن جبیر
 لم یکن له نظیر فی العلم
 فی وقتہ و ذکر غیر واحد
 من المصنفین ان الحسن
 البصری سارحہ اللہ لما

قتل کیا اور سعید بن جبیر کے لیے شر
 وقع قتل کیا۔ حالانکہ حاج نے عبد اللہ
 بن زبیر کو بھی قتل کیا تھا جو صحابی
 تھے اور سعید بن جبیر تابعی تھے اور
 صحابی تابعی سے افضل ہوتا ہے
 تو اس کا جواب یہ ہے کہ حاج نے
 جب عبد اللہ بن زبیر کو قتل کیا ہے
 تو علم میں ان کے مش بہت سے لوگ
 موجود تھے جیسے عبد اسر بن عمر
 اس بن مالک وغیرہ صحابہ میں
 سے۔ لیکن جب سعید بن جبیر کو قتل
 کیا ہے تو کوئی نظیر ان کا سرور نہ تھا
 اور اکثر مصنفین نے ذکر کیا ہے کہ جب
 حضرت حسن بصری کو سعید بن جبیر
 کے قتل ہونے کی خبر ہوئی تو انھوں نے
 کہا خدا کی قسم سعید بن جبیر دنیا
 سے اٹھے ایسے وقت میں،

بلغه قتل سعید بن جبیر کہ جب تمام دنیا مشرق سے ملے کر
 قال واللہ لقد مات مغرب تک اُن کے علم کی محتاج
 سعید بن جبیر یوم مات ہے۔ یہ وجہ تھی کہ اُن کے قتل
 و اهل الامم من مشرقها کی وجہ سے حجاج پر عذاب زیادہ
 الی مغربها محتاجون لعلمہ ہوا۔

فمن هذا المعنى اخذت العذاب على الحجاج بقتله۔

سعید بن جبیر کی شہادت شعبان ۹۵ھ میں ہوئی اور اُن کی عمر
 صرف ۴۹ برس کی تھی۔

یہ وہ حفاظ قرآن ہیں جن کا پتہ پہلی صدی ہجری
 میں چلتا ہے۔ اور یہ حصہ اس تذکرہ کا اسی مقام پر ختم کیا جاتا ہے۔
 دوسرا حصہ جسے انشاء اللہ اس صفحہ کا دوسرا ہی سمجھنا چاہیے وہ
 دوسری صدی کے حفاظ کے تذکرہ سے شروع ہو گا۔ جن میں سے اکثر
 اسی صدی سے متعلق ہیں اس لیے کہ اُن کی عمر کا بیشتر حصہ اسی صدی
 میں گذر رہا ہے۔ لیکن چونکہ کتاب کی ترتیب میں ہم نے سال وفات کا اعتبار
 کیا ہے اس لیے ان کو ہم دوسری صدی میں درج کرنے پر مجبور ہیں و السلام
 علی نفعی التقویٰ۔

۱۶ ج ۲ صفحہ ۱۳۵

الحق "حقائق" لکھنؤ

میں ایک غرض سے اس ضرورت کو محسوس کر رہا تھا کہ ہمارے ہاتھ میں ایک ماہانہ علمی و تحقیقی رسالہ کا موجود ہونا لازمی اور ضروری ہے تاکہ ایک طرف اہل بیت علیہم السلام کے معارف و حقائق کی نشر و اشاعت کا سلسلہ جاری رہے اور دوسری طرف غیر مسلمین کی طرف سے جو حق پرانے دن کے پوتے رہتے ہیں ان کا برفست خلع کیا جاسکے چنانچہ ایک ایسے عہدے کا تداریک کرنا پڑا اور ایک ایسے شخص پر یہ سونپ دیا کہ جلد از جلد مجوزہ رسالہ کا اجرا کر دیا جائے جس کا امانیہ شیئ اس سے زائد تعلق نہ ہوگا جس کے اخراجات منہ صدقہ کی نشر و اشاعت اس سالہ کے خزانے سے جتنی ہو سکی مگر مشن پر اسکا کوئی بار نہ پڑے کسی قسم کی بھی ذمہ داری عائد نہ ہوگی

افراد قوم میں خیر برسرت کیا تھا سنی جائیگی کہ مجوزہ سالہ یعنی "حقائق" کا پہلا نمبر ۵ اربوآن ام ۱۳۳۰ م کو ولادت امام غصہ (عجل اللہ فرجہ) کو شائع ہوگا سائز ۱۶x۲۰-۱۲ کاغذ سفید حجم چار جزو و چندہ سالانہ چار روپیہ و شش ماہی دو روپیہ آٹھ آنہ ہوگا۔ (نور کا ہر چھوڑنے والے وصول ہونے پر رد و اند کیا جائے گا)

"حقائق" کا پہلا ہی نمبر آگے پہنچا دے گا کہ وہ کیسے کیسے گراں بہا مضامین کا حامل ہوگا ایسا کہ افراد قوم کثیر سے کثیر تعداد میں اس سالہ کی خریداری قبول فرمائیں گے

الداعی الی الخیر

سید بن حسین عفی عنہ

رسالہ "حقائق" لکھنؤ

میں ایک حصہ سے اس ضرورت کا احساس کر رہا تھا کہ ہمارے ہاتھ میں
بہت ماہانہ علمی و تحقیقی رسالہ کا موجود ہونا لازماً اور ضروری ہے تاکہ ایک طرف
اہل بیت علیہم السلام کے معارف و حقائق کی نشر و اشاعت کا سلسلہ جاری
رہے اور دوسری طرف غیر مسلمین کی فہم و دین حق پر آئے دن جو حملے ہوتے
رہتے ہیں ان کا بروقت و فکاح کیا جاسکے۔ چنانچہ اب تک اس کے مبادیات
طے کرتا رہا اور اب محمد امجد اس نتیجہ پر پہنچ گیا ہوں کہ جلد از جلد مجوزہ رسالہ کا
اجرا کر دیا جائے جس کا انا میرٹھن سے آؤں سے زائد تعلق ہوگا کہ اس کے اشاعت
و مقاصد کی نشر و اشاعت اس رسالہ کے ذریعہ سے ہوتی رہے گی مگر مشن پر
اس کا کوئی باریا کسی قسم کی بھی ذمہ داری عائد نہ ہوگی۔
افراد قوم میں خبر سرت کے ساتھ سنی جائیگی کہ مجوزہ رسالہ یعنی "حقائق"
کا پہلا نمبر ۱۵ شعبان المعظم ۱۳۵۴ھ یوم ولادت امام عصر (عجل اللہ فرجہ) کو شائع
ہوگا۔ سائز ۲۶+۳۰ کاغذ سفید حجم چار جزو۔ چند سالانہ چار روپیہ اور ششماہی
دو روپیہ آئندہ ہوگا۔ (نمونہ کا پرچہ مجھے آنے کے ٹکٹ وصول ہونے پر روانہ کیا جائے
گا۔)

"حقائق" کا پہلا ہی نمبر آپ کو یہ بتا دے گا کہ وہ کیسے کیسے گراں ہما مضامین
کا حامل ہوگا۔ اُسید ہے کہ افراد قوم کثیر سے کثیر تعداد میں اس رسالہ کی خریداری
قبول فرمادیں گے۔

الداعی الخیر

سید ابن حسین عفی عنہ

Mirza Jamal (mahakavi)

<http://www.slideshare.net/changezi>
<http://alinaqinaqvi.blogspot.in/>
<http://youtube.com/user/mahakavi>